
جملہ حقوق محفوظ
آنریری ایڈیٹر - شیخ عبدالقادر بی - اے ۔ ایڈیٹر - احسان اللہ خاں تاجور نجیب آبادی
مارچ ۱۹۱۹ء
مخزن
پشاور
کوئٹہ
لاہور
دہلی
لکھنؤ
بنارس
الہ آباد
کلکتہ
کانپور
بمبئی
حیدرآباد دکن
مدراس
بنگلور
اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ماہوار مجموعہ
دس کروڑ ہندوستانی اردو بولتے ہیں۔ اور اسی قدر ہندوستانی اردو سمجھتے ہیں
ان شہروں میں اردو مادری زبان ہے ان شہروں میں اردو مروج ہے ان شہروں میں اردو سمجھی جاتی ہے

فہرست مضامین

تبصرہ

گنج شائگاں - مولانا شاہ محمد صدیق صاحب کا یہ مفید سلسلہ مضامین پسندیدہ نظروں سے دیکھا جاتا ہے اس میں شک نہیں کہ اس مضمون کی تیاری میں شاہ صاحب کو فارسی شعراء کے دواوین کی بہت کچھ چھان بین کرنی پڑتی ہوگی۔ آپ کی وسعت نظر قابل تحسین ہے۔

اُردو اور اہل زبان - یہ مضمون پنجاب کی فضا میں بہت مقبول ہو رہا ہے۔ دِلّی اور لکھنؤ سے بہت سے اس کے جوابات وصول ہو چکے ہیں۔ لیکن مضمون نگاروں کے وطنی جوش نے انہیں جادۂ اعتدال سے ہٹا دیا ہے۔ صحیح اور تاریخی جواب دینے کی بجائے شیر پنجاب کی ادبی غلطیاں نکالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہم مولانا شرر لکھنوی کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں۔

کلامِ انجم - اودھ کے مسلم الثبوت اُستاد نواب سیّد بہادر حسین خانصاحب انجم لکھنوی یادگار اسیر مرحوم کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ آپ کی سحر نگاری مُلک میں آپکو کافی طور پر روشناس کرا چکی ہے ہم اپنے محترم کے ممنون ہیں کہ انہوں نے مخزن کی جانب عنانِ توجہ مبذول فرماکر دائمی طور پر قلمی امداد کا وعدہ فرمایا ہے۔

کلامِ قیصر - شمشیر قدر نواب سید امجد علیخاں بہادر رئیس لکھنؤ کا کلام ہم فخر کیساتھ درج کرتے ہیں۔ آپ کے کلام میں سلاست حسن بندش مصرعوں کی برجستگی قابلِ داد ہے۔ نوابصاحب موصوف کے ہم ممنون ہیں کہ آپنے مستقل قلمی امداد کا وعدہ فرمایا۔ خدا نے چاہا تو کبھی مخزن میں آپکی تصویر بھی شائع کیجائیگی۔

لمعۂ امید - مُلک کے جن چند مسلم الثبوت آدمیوں کی سحر نگاری صفحاتِ مخزن کے لئے ہمیشہ مایۂ ناز رہی انہیں قابلقدر افراد میں سے پنجاب کے مشہور آتش بیاں جناب میرنیرنگ بی۔ اے بھی ہیں سجاد حیدر کی طرح مخزن کا نام آپ کا بھی شریک تشخص بن گیا ہے۔ ادبی دُنیا میں مخزن والے سجاد حیدر کی طرح مخزن والے نیرنگ بھی زبان زد ہو چکے ہیں ہم اپنے مکرم جناب شیخ عبدالقادر صاحب بی اے بیرسٹرایٹ لا کے ممنون ہیں کہ اُنھوں نے مخزن کے بچھڑے ہوئے مربی کی آتش بیانی سے پھر محفل مخزن کو گرما دیا۔ نظم کے عنوان اور شیخ صاحب موصوف کی توجہ کو دیکھتے ہوئے ہم اس یقین پر پہنچے ہیں۔ کہ یہ گرمی محفل آئندہ رہین سرد مہری نہ ہوگی اس جانِ معنی نظم کی توصیف میں صرف یہی کہدینا کافی ہے کہ یہ مخزن والے نیرنگ کی نظم ہے۔

خوابِ ہستی وکیفِ بہار - جناب خلیفہ عبدالحکیم ایم۔ اے کی یہ دو نظمیں شکریہ کے ساتھ درج کی جاتی ہیں۔

خلیفہ صاحب کا یہ مصرعہ کسقدر کیف انگیز ہے ع

"اک میکدہ اُڑا ہے شراب طہور کا"

نغمۂ جو - یہ مختصر مگر دلکش مضمون جناب امیر حسن تاز کے زور قلم کا نتیجہ ہے - قابلقدر مضمون نگار سے ہم تاخیر اشاعت کی معافی چاہتے ہوئے آیندہ نوازشوں کے امیدوار ہیں -

کلام شمیم - ہمارے مکرم آنریبل رائے بہادر پنڈت شیو نراین شمیم جب کبھی کچھ نظم و نثر لکھتے ہیں اُس کا مستحق بلا شرکت غیرے مخزن ہی کو تجویز فرماتے ہیں - ہم کلام شمیم کو بطور تبرک درج کرتے ہوئے جناب موصوف کا شکریہ ادا کرتے ہیں -

شذرات

زمانہ کا فصیح ادیب فطرت انسانی سے تین سوال کرتا ہے اور انہیں سوالات کے صحیح جواب پر انسانیت کے نشو و نما کا دار و مدار ہے -

ہم کیا ہیں ؟ کیا تھے ؟ کیا بن سکتے ہیں ؟

پہلے سوال کا جواب علم کی زبان سے دیا جاتا ہے - دوسرے معمہ کو حل کرنے کے لئے تاریخ کی زبان درکار ہوتی ہے - آخری استفسار کے مخاطب اخلاق ہوتے ہیں - لہذا ایک انسان کے لئے علم تاریخ اور اخلاق سے زیادہ کوئی ضروری چیز نہیں -

مخزن کی ترتیب میں حتی الامکان میں اسی فطری ترتیب کا لحاظ رکھتا ہوں سب سے پہلے علمی مضامین ہوتے ہیں - اور پھر علی الترتیب تاریخی اور اخلاقی - ایسے ادبی مضامین جنکا اثر آنی سرور کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے - اور جنہیں آجکل ادبیات لطیف کا خطاب دیا جاتا ہے - انہیں میں سب سے اخیر میں ذہنی بوست دور کرنے کی غرض سے درج کرتا ہوں - ادبیات لطیف میں طبع آزمائی کرنے والے حضرات اپنے مضامین کو آخر میں دیکھکر چیں بجبیں ہوتے ہیں - اور یہ سمجھ بیٹھتے ہیں - کہ اڈیٹر نے ہمارے مضمون کو سب سے ردی سمجھ کر آخر میں درج کیا ہے - حالانکہ میں اپنے نقطۂ خیال کے مطابق بڑے سے بڑے ادیب کا دلکش سے دلکش مضمون بھی بالکل اُسی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوتے اخیر میں درج کرتا ہوں - جو حیثیت علم معانی کی کتابوں میں فن بدیع کو موخر کرنے میں مد نظر رکھی جاتی ہے -

ہم اپنے اُن گرامی قدر قلمی معاونین سے معافی کے طلبگار ہیں جنکے افادات ہم ابتک شایع نہ کر سکے - خدا نے چاہا تو رفتہ رفتہ ایک ایک کرکے تمام مضامین شایع کر دئے جاینگے -

تاجور

مخزن

گنجِ شائگان

(۳)

آتش - سنسکرت لفظ हुताशन یعنی ھُوتاشن سے مشتق ہے۔ اور یہ हुत یعنی ھُوت بمعنی دھونی (بخور) دی ہوئی اور अशन اَشن بمعنی خوردن سے مرکب ہو کر اسم فاعل ترکیبی کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی دھونی دی ہوئی چیزوں کا اس طرح کھا جانے والا کہ جو تنکا تک نہ چھوڑے۔ یہ صفت خاص آگ کی ہے۔ اس لئے آگ کے مفہوم میں کام آتا رہا۔

مرورِ زمانہ نے آب و ہوا پر اثر ڈالا۔ غذائے انسانی نے اپنا اثر بدلا۔ انسان کے لب و لہجہ میں فرق آیا۔ یوں یہ لفظ ھوتاشن۔ ھاتاش۔ ھتاش۔ آتاش۔ آترش۔ آتر۔ آذر۔ آتش۔ علی الترتیب اپنے وقتوں میں مستعمل ہوتے رہے۔ یہ تبدیلیاں بہت خاموش اور بدیر ہوتی ہیں۔ جسکو عوام جلد محسوس نہیں کرتے تمثیلاً یوں سمجھ لو۔ کہ ھوشنگ اور کیومرث کے زمانہ میں ھوتاشن تھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں یہی لفظ آذر۔ آتش بنگیا۔ عوام سے گذر کر خواص کی زبانوں پر عام ہوگیا۔

وضع قدیم کے دلدادہ شعرا اپنے کلام میں آذر ہی استعمال کرتے رہے۔ اور طرز جدید کے شیائی آتش۔ ملاحظہ ہو۔ آذر بمعنی آتش۔

ہمیشہ تا کہ بود از فراق عاشق را دلے چو آذر و رخسارۂ چو آذر یون (رشید دطواط)

ہمی تا نہ سوزد بآب اندر آذر نگیرد عقاب زبان را کبوتر (استاد عنصری)

بہ بوئے خلقش ار خواہی کنی آذر چو آذر گوں بناب چشمش ار خواہی ز آذر گوں کنی آذر (حکیم ازرقی)

دوست جو۔ از برادران بگسل کہ برادر کند پر آذر دل (حکیم سنائی)

چشم گریاں سینہ بریاں سوے دلبر می روم چو سمندر دل برشتہ سوے آذر می روم (سعدی)

بہرکیف۔ ھ الف سے بدلا۔ دو الف یکجا جمع ہوئے ایک کو دوسرے میں ادغام کیا۔ ت اور ش کے درمیان سے الف ساقط ہو گیا۔ قواعد لسانی کا تقاضا ہے۔ کہ آتش کی ت مفتوح ہو۔ کیونکہ ساقط شدہ الف کا ماقبل ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے۔ آخر نسبت کا مادہ حذف ہو گیا لہذا آتش کی ت بہرحال مفتوح ہے۔

زبان عربی کی طرح فارسی زبان اپنے الفاظ کے اعراب وحرکات کی صحت کے لئے کوئی معیار بحالت موجودہ نہیں رکھتی۔ ہاں کبھی رکھتی ضرور تھی۔ مگر وہاں تک رسائی پانا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ لہذا فارسی الفاظ کی حرکات کی صحت اب سماعی رہ گئی ہے سلے دیگر ایک علم القافیہ کی میزان ہاتھوں میں رہ گئی ہے۔ جس سے الفاظ کے اعراب کی صحت اساتذہ کرتے ہیں۔ آتش کی تحقیقات لفظی تو دیکھ چکے آؤ قوافی کے بازار میں چلکر دیکھیں کہ آتش کا بازار کس قدر گرم ہے۔

ہم قافیہ الفاظ کے ابتدا و وسط کے حروف کے اعراب کا اختلاف جائز ہے۔ مگر آخر کے دو حرفوں کی حرکات میں اتحاد کا ہونا لازمی ہے۔ گل کا قافیہ کاکل اور تحمل آسکتا ہے لیکن سل یا سنگدل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آخر کے ماقبل کی حرکت مختلف ہے۔ اگرچہ آخر کے حروف واحد ہیں بدیں لحاظ اہل زبان اساتذہ نے اگر آتش کی ت کو ہم قافیہ الفاظ مفتوح کے ساتھ استعمال

کیا ہو تو اس سے بڑھکر اور کونسی دلیل کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ کہ آتش کی ت مفتوح نہ ہو۔ ہاں چند اہل لغت نے آتش کی ت کو مکسور لکھا ہے۔ مگر کوئی ثبوت نہیں دے سکے۔ نہ اس لفظ کی اصل کو بیان کیا۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ بلا تحقیق قیاس کو کام میں لا کر لکھدیا جسے محققین اپنی نظروں میں جگہ نہیں دے سکتے۔ اس کی مثالیں اہل زبان اساتذہ کے کلام میں اس کثرت سے ملتی ہیں۔ کہ اگر صرف اشعار احاطہ تحریر میں لائے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے کسی ماہواری ادبی پرچہ کے مختصر صفحات اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ لہذا نمونتاً چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔ شوق ہو تو کتابوں کے صفحات الٹ کر دیکھئے۔

چوں خود را قوی حال بینی و خوش — بہ شکر از بار ضعیفاں بکش (سعدی)

شکر حق کیں حدیقۂ دلکش — یافتہ اختتام خرم و خوش (حکیم سنائی)

از پے ایں سہ خصلتم دل خوش — بر سر آب پایسے در آتش

گرچہ ہستی کنوں بغفلت خوش — سرنگوں در فتی دراں آتش (حکیم سنائی)

خوش کا قافیہ آتش ہے۔ اوپر ثابت ہو چکا کہ خوش کی خ مفتوح ہے۔ لہذا آتش کی ت بھی مفتوح ہے۔

ایسے صاف، اور صریح نتیجہ سے تشفی نہ ہو تو ذیل کے اشعار حاضر ہیں۔

رباعیات

شبہا شدۂ زلف مغاں وش داری — در جام طرب بادۂ دلکش داری

تو خود ہمہ سالہ شدۂ خوش داری — تا زلف خساں در رخ آتش داری

خاقانی اگرچہ خاک تست اے مہوش — چوں آتش و آب و تاب باشد سرکش

چنداں بلا است در سرے خاک او — کانرا نبرد آب دنسوزد آتش

(خاقانی)

از خاک درت ساختم دمغز بش خوش — برخیزد بباد دادہ عیش خوش خوش

بنمائے بمن تو آں رخ مہوش خوش — ہاں۔ تا ہیزم آب تو از آتش خوش

(انوری)

بگرفت مرا عشق بکارے خوش خوش — گفتا چو من آمدم تو پا بیروں کش

القصہ چناں سوخت دلم از غم او — کاتش ہمہ ہیزم شد و ہیزم آتش

گویند تخود مئے کہ بلاکش باشی — در روز مکافات در آتش باشی

ایں ہست و لے زہر دو عالم خوشتر — ایں یکدم کز شراب سرخوش باشی

(عمر خیام)

ذیل میں مختلف اساتذہ کے متفرق اشعار دکھائے جاتے ہیں۔ ہر ایک طویل قصیدہ سے انتخاب کئے گئے ہیں۔ جن کا قافیہ بالاتفاق۔ کش۔ ترکش۔ چش۔ وش۔ سرکش۔ ششش۔ مفرش۔ آتش وغیرہ ہے۔

روے گریز نیست کہ گردوں کماں کش است — جائے فراغ نیست کہ گیتی مشوش است

با ہر کہ انس گیری از و سوختہ شوی — بنگر کہ انس چیست بہ تصحیف آتش است

من آب نا دیدہ نخل بلبندم — کہ از جان من در من آتش فتادست

منہ پیش خاقانیا بر جہان دل — کہ عاشق کش است ارچہ سرکش فتادست

(خاقانی)

روے خوب تو مہوش افتاداست — خال مشکیں بر و خوش افتادست

چشم بد دور خال بر رخ تو — چوں سپندے بر آتش افتادست

(جامی)

شد خیال آں خط از دل واں رخ مہوش بماند — زد و دور از خانہ بیروں رفت لیک آتش بماند

باما چہ موجب است کہ چوں آب و آتشی — ای سرو سرفراز ما چہ مے کشی

(جامی)

برخاطرش ہر آئینہ این بیت بگذرد   کامروز وقت بادہ و خرگاہ و آتش است
خنداں بقات باد زنا شیر نہ سپہر   کاندر زمانہ طبع چہار و جہت شش است
(انوری)

در نہاں خانۂ عشرت صنمے خوش دارم   کز سر زلف و رخش نعل در آتش دارم
ناوک غمزہ بیار و زرہ زلف کہ من   جنگہا با دل مجروح بلاکش دارم
یک سر موے بدست من و یکسر با دوست   سالہا بر سر این موے کشاکش دارم

من و دست دار روے خوش و موے دلکشم   مدہوش چشم مست و مے صاف بے غشم
حافظ ز تاب فکرت بے حاصلی بسوخت   ساقی کجاست تا زند آبے بر آتشم
بیا ساقی از من مکن سرکشی   کہ از خاکی آخر نہ از آتشی   (حافظ)
اے شام سر زلف تو بر مہ شدہ سرکش   شمشاد خطت را گل سوری شدہ مفرش
ہر دودہ کہ خط تو کشد بر ورق ماہ   دودیست کہ زد در دل ہر سوختہ آتش
(بدر چاچ)

کہ چوں شاہ چین زین برابرش نہاد   فلک نعل زنگی در آتش نہاد
جہاں دولت و تیغ گردن کش است   گہے خشم سوزندہ چوں آتش است
چو گردن بر آرم بگردن کشی   نہ ز آبے ہراسم نہ از آتشی
جہاں خسروا چند گردن کشی   بر ایں آب حیواں مشو آتشی
(نظامی گنجوی)

زنگ آہن محو رنگ آتش است   ز آتشی می لافد و خامش وش است
شد ز رنگ و طبع آتش محتشم   گوید او من آتشم من آتشم
(مولانا روم)

زعکس لالہ رخساراں سرکش | فتادہ ماہیاں در دام آتش
چراغاں زد چناں نقشے بر آتش | کہ فانوس خیالی شد حبابش
کشیدی گر شبیہ شمع سرکش | دلِ پروانہ سودی رنگ آتش
بہر سو نازنیناں قدح کش | زآب افروختہ رخسار آتش
زدست افشاندن رقاص دلکش | رمیدہ از چراغ صبر آتش

(طغرا)

ہندوستان کے وہ ذی علم بزرگوار جنکو فارسی زبان سے دلچسپی ہے۔ اور آتش کو کاہش کاوش اور دانش کا ہم وزن و قافیہ سمجھتے ہیں۔ ان کی خدمت میں بکمال ادب التماس ہے۔ کہ اہل زبان اساتذہ کا کوئی ایسا شعر پیش کریں جس میں کاہش۔ دانش یا کاوش کا قافیہ آتش ہو (دیکھنا کہیں امالہ کے دھوکے میں پڑکر حسیب ترکیب کو اصل نہ مان لینا)

اُستاد۔ اصل اس کا اُستنا (بمعنی علم شریف) اور۔ وَدَہ (بمعنی دانا۔ صاحب) اِستاودَہ دانندۂ علوم ہے۔ وَدَہ وہی لفظ ہے جو چندے بعد بُد ہوگیا۔ جیسے شہبد۔ موبد۔ اکثر اساتذہ نے اُستاد کے معنوں میں صرف اوستا ہی استعمال کیا ہے جس سے اصل ثابت

ہیچ حرفت را بہ بیں کیں عقل را | ماند او آموخت بے ہیچ اوستا

(مولانا روم)

بیہودہ بے (کلمۂ نفی) + ہودہ (قدیم فارسی بمعنی۔ راست۔ حق۔ صحیح) سے مرکب ہے۔

شاگرد۔ سنسکرت لفظ [illegible] چھتر شیبن سے مرکب ہے۔ چھتر وہی لفظ ہے۔ جو فارسی میں۔ چتر اور اردو میں چھتری ہے۔ [illegible] شیبن (نون غنہ) کلمہ ظرفی ہے۔ ترکیبی معنی چھتری کے سایہ کے نیچے آنے والا۔ جو بہت مناسب معنی ہے۔

فارس۔ بمعنی وہ ملک جہاں کی زبان فارسی ہے۔ پارس کا مبدل ہے۔ پارس سنسکرت لفظ ہے جس کی راء مہملہ ہمیشہ مفتوح ہے۔ اور معنی پاک اور مقدس کے ہے۔ پارس بن پھلو بن سام بن نوح علیہ السلام نے تاتار سے نکلکر غربی ہمسایہ زمین کو آباد کیا۔ نو آباد شدہ ملک کا نام آجتک رسم ہے کہ اپنے بانی کے نام سے موسوم ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا اس ملک

کا نام پارس ہوا۔

بعض کی رائے ہے کہ سیامک بن کیومرث بن سام بن نوح علیہ السلام جو پیشدادی خاندان کا ایک نامور منصف بادشاہ ہوگذرا ہے۔ اس کے اتقا اور خدا ترسی کے باعث رعایا پارس کے نام سے پکارا کرتی تھی۔ اس نسبت سے اس کا آباد کئے ہوا ملک نے بھی پارس نام پایا۔

بہرکیف پارس سنسکرت کا لفظ ہے۔ اور را مہملہ مفتوح ہے۔ اور معنی پاک اور مقدس کے ہیں۔ بشتاسپ کے لڑکے کا نام منش پارساتھا یعنی پرہیزگار مرد۔ سنسکرت کی مذہبی قدیم ترین کتاب وید کے بعد دوسرے درجہ کی ایک کتاب پارس گاتھا نامی تھی یعنی مقدس کتاب۔ پارس ناتھ ایک دیوتا کا نام ابتک قائم ہے۔ ہندو بھائیوں کے نام عموماً پارس کا لفظ آتا ہے جس کے معنی ہمیشہ پاک اور مقدس کے ہے۔ پارسا فارسی میں الف فاعلی سے مرکب ہے۔ نظم فارسی میں عموماً یہ را مہملہ تقطیع سے گرجاتی ہے۔

سواری کے گھوڑے کو عربی میں فرس اور سوار کو فارس بروزن فاعل کہتے ہیں۔

اس دھوکے میں اکثر اصحاب فارس (ملک) کی را مہملہ کو بھی مکسور پڑھتے ہیں۔ ثبوت لاتے ہیں۔ کہ فاعل کا ہم وزن ہے۔ حالانکہ فارس (ملک فارس) اور فارس (سوار) دو مختلف الاصل زبان کے دو جداگانہ الفاظ ہیں۔ ایک دوسرے سے بالکل لگاؤ نہیں۔ بزرگ آتش کی ت اور فارس (ملک) کی را مہملہ کو بزور مکسور پڑھتے ہیں۔ ان کے نزدیک۔ ساغر۔ لاغر۔ داور۔ آذر اور گارز وغیرہ کے تیسرے حروف ضرور مکسور ہونگے کیونکہ فاعل کے وزن پر ہیں۔

(باقیدارد)

(شاہ محمد صدیق سیوانی)

جواہر فکر

لسان العصر خان بہادر مولانا سید اکبر حسین پنشنر جج الہ آباد

(خاص مخزن کے لئے)

عشق میں حسن بیان وجہ تسلّی نہ ہُوا

لفظ چمکا مگر آئینۂ معنی نہ ہُوا

دل میں کہتے تھے کہ یہ ہوگا وہ ہوگا لیکن

کٹ گئی عمر امیدوں ہی میں کچھ بھی نہ ہُوا



ریناسینس

گذشتہ سے پیوستہ

علاوہ اس کے ریفارمیشن کے خلاف شورش شروع ہو چکی تھی جس نے ایک حد تک لوگوں کے دلوں کو ریفارمیشن اور ریناسینس سے پھیر دیا تھا۔ اور پھر چرچ کی جابرانہ حکومت نے ان کے دل و دماغ کو مرعوب کر لیا تھا۔ چرچ ریفارمیشن کی اشاعت و ترقی سے خوفزدہ ہو کر "جدید علم" کو مخالفانہ نظر سے دیکھنے لگا۔ چنانچہ اس زمانہ میں عالم ہونا ایک گناہ خیال کیا جاتا تھا۔ اور طرح طرح کے اتہامات لگائے جاتے تھے یعنی وہ بداخلاق ہے کفر پرست ہے دہری ہے ملحد ہے۔

فلانڈرس اور ہالینڈ فلانڈرس اور ہالینڈ نے بھی دیگر ممالک کی طرح علوم و فنون کے میدان میں نہایت شاندار کامیابی حاصل کی۔ فنون لطیفہ میں مصوری ان کے کمال و جوہر کا اصلی تماشاگاہ ہے جس کو انہوں نے عالم انسانی کا آئینہ بنا دیا جس میں ہر قسم کے واقعات و حالات۔ جذبات و احساسات اخلاق و عادات کی تصویر نظر آتی تھی کلیسکس کے میدان میں بھی انہوں نے بہت کچھ اضافہ کیا۔ اب تک علوم و فنون کا جو کچھ سرمایہ جمع ہو چکا تھا اس پر نہایت مبسوط تنقیدیں کی گئیں اور ان کے محاسن و معائب کا انکشاف کیا۔ جس سے آئندہ لوگوں کو تحصیل علم میں معتدبہ مدد ملی۔ علاوہ اس کے انہوں نے کلیسکس کے مطالعہ میں فلسفیانہ رنگ کی آمیزش کی یعنی لوگ اب بجائے خالص علمی حیثیت کے فلسفیانہ نقطہ خیال سے علوم و فنون کا مطالعہ کرنے لگے۔

انگلستان اور ریناسینس انگریزوں کی فطرت کا عام خاصہ ہے کہ وہ بہت زیادہ ذکی الحس نہیں ہوتے ان کا دماغ نہایت آہستہ آہستہ حرکت کرتا ہے۔ اس لئے وہ انقلابات اور خارجی اثرات سے دیر میں متاثر ہوتا ہے۔ اور اس وقت متاثر ہوتا ہے جب وہ انقلابات کوئی خاص شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ چنانچہ جب ریناسینس کے متعلق یورپ [illegible] وقت انگلستان کی فضا علمی

ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اور لوگ اطمینان اور خاموشی کے ساتھ اس انقلاب کی نیرنگیوں کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ اس جمود اور خاموشی کی ایک وجہ اور تھی یعنی انگلستان کی جغرافیائی حالت۔ چونکہ انگلستان یورپ کے دیگر ممالک سے بالکل الگ پڑتا ہے۔ اس لئے وہ جرمنی اور فرانس وغیرہ کی طرح جو اٹلی کے آس پاس تھے۔ رینائینس سے جلد متاثر نہ ہو سکا۔ اور وہ آفتاب علم جو اٹلی کے افق سے طلوع ہو کر تمام یورپ کو روشن کر چکا تھا۔ اس کی شعاعیں بہت دیر میں انگلستان کے افق علمی پر چمکیں۔ ان وجوہ سے انگلستان میں رینائینس اور ریفارمیشن دونوں ساتھ ساتھ پہنچے۔ اور تقریباً اسی وقت انگلستان کو اس جنگ کے مقابلہ کے لئے بھی تیار رہنا پڑا۔ جو ریفارمیشن کے خلاف اسپین میں شروع ہو رہی تھی۔ اس جنگ نے اسپینش ارمڈا[۵] کو تباہ کر کے انگلستان میں قومیّت کا احساس قوی کر دیا۔ اور اسکی بحری قوتوں کو اُبھار دیا۔ غرض یا تو انگلستان میں کبھی ہر طرف خاموشی کا عالم تھا۔ یا اب ہر طرف کشمکش۔ بیداری اور ہیجان کے آثار نمایاں ہیں۔ اور اس کی فضائے ہستی مختلف صداؤں سے گونج رہی ہے۔

اگرچہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں انگلستان رینائینس اور ریفارمیشن سے باقاعدہ طور پر بہت دیر میں متاثر ہوا تاہم ایک صدی پہلے سے ان تحریکوں کی علامات نمایاں تھیں۔ چنانچہ چاسر کی شاعری و تالیف کی عمدہ تعلیم۔ ان سب میں اس روح کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ جس نے آگے چلکر رینائینس اور ریفارمیشن کا مستقل قالب اختیار کیا لیکن خارجی اور اندرونی جنگ و نزاع کی وجہ سے یہ روح کسی مستقل صورت میں ابھر نہ سکی۔ اس لئے انگلستان عصر جدید کی روشنی سے دیر میں روشناس ہوا۔

غرض ۱۵۳۶ء میں انگلستان نے مستقل طور پر رینائینس کے میدان میں قدم رکھا۔ اور گو سب سے پیچھے آیا لیکن سب سے آگے نکل گیا۔ یہ وہ زمانہ ہے۔ جبکہ پٹرارک کی تحریک انسانی فرانس۔ جرمنی۔ اٹلی وغیرہ ہر جگہ پھیل چکی تھی کلیسکس کا قالب جدید خیال کی ضروریات کے مطابق بدل چکا تھا۔ یونانی اور لاطینی زبانوں کے ترجمے شائع ہو چکے تھے۔ قدما کی اعلےٰ ترین تصانیف پر شرحیں لکھی جا چکی تھیں۔ غرض انگلستان نے جب آنکھیں کھولیں۔ تو یہ تمام مشکل مراحل طے ہو چکے تھے۔

اور یورپ کی جدید زبانیں قدما کے علمی زر و جواہر سے مالامال تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں انگلستان کی شاعری اور ڈراما میں جو علمی سرمایہ موجود تھا۔ اس کا زیادہ حصہ اسی جدید لٹریچر سے ماخوذ تھا۔ جو یونانی اور لاطینی سے تیار کیا گیا تھا۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ انگلستان میں ان زبانوں کے جاننے والوں کی کمی تھی کالٹ۔ تمور۔ کیمڈن ایسے افراد موجود تھے۔ جو کلیسکس سے غیرمعمولی واقفیت رکھتے تھے۔

پبلک مدارس اور یونیورسٹیوں میں جدید طریقۂ تعلیم کا رواج شروع ہو گیا۔ ادنیٰ طبقہ کے لوگوں میں بھی تعلیم کا مذاق پھیل گیا۔ اور ایسے افراد پیدا ہونے لگے جو کسی طرح اٹلی کے علما سے کم درجہ نہ تھے۔ لیکن ابھی علم نے انگلستان میں کوئی نمایاں خصوصیت حاصل نہیں کی۔ اٹلی کی طرح یہاں پٹرارک کے متبعین کا کوئی مستقل گروہ موجود نہ تھا۔ جو خاص طور پر پٹرارک کے جدید علمی تخیلات کی ملک میں اشاعت کرتا۔

اس موقعہ پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے۔ کہ کلیسکس کے ساتھ اٹلین لٹریچر کی بہترین تصانیف انگریزی میں منتقل ہو گئیں۔ علاوہ اس کے اسپین۔ جرمنی۔ فرانس کی بھی مختلف قسم کی تصنیفوں کے ترجمے ہو گئے۔ جن سے انگلستان کے علمی جوش میں ایک قوی تحریک پیدا ہو گئی۔ انجیل کا صحیح ترین نسخہ بھی انگلستان میں آچکا تھا۔ غرض تقریباً ایک ہی وقت میں انگریزی زبان قدیم اور جدید تصنیفات کا ایک عظیم الشان ذخیرہ مہیا ہو گیا۔ یہ ایک خوش نصیبی تھی۔ جو کسی دوسری قوم کو حاصل نہ ہوئی فرانس اور جرمنی نے لٹریچر کے میدان میں جو کمالات حاصل کئے۔ ان کا سرچشمہ محض قدیم لٹریچر تھا لیکن انگلستان نے متقدمین اور متاخرین دونوں کے خرمن علم سے خوشہ چینی کی۔ اور یہی وجہ ہے کہ ایلیزبتھن لٹریچر ہر قسم کے واقعات و حالات۔ جذبات و احساسات سے لبریز نظر آتا ہے۔

علوم و فنون اور ڈراما

فنون لطیفہ کے میدان میں نہ تو انگلستان نے دوسری قوموں سے کچھ حاصل کیا۔ اور نہ اپنے خاص ملکی سرمایہ کو کوئی ترقی دی۔ فن عمارت۔ مصوری۔ صنعتگری۔ موسیقی ان فنون کے ماہرین کی اگرچہ انگلستان میں کمی نہ تھی۔ چنانچہ ہر فن کا ایک ایک مستقل گروہ موجود تھا۔ لیکن انگریزوں نے

جرمنی۔ فرانس۔ اسپین وغیرہ کی طرح ان فنون میں کوئی غیر معمولی شہرت حاصل نہیں کی۔ لیکن لٹریچر کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی۔ وائٹ اور سرے نے ملکی لٹریچر کے قالب میں اٹلین شاعری کی نزاکت اور نفاست کا رنگ ابھرنا شروع کیا۔ انگریزی شاعری کو انہیں نے سب سے پہلے "بلینک ورس"[1] سے روشناس کرایا۔ اسی قسم کی اور جدید خصوصیات انگریزی شاعری میں پیدا ہوئیں جو تمام تر اٹلین شاعری سے ماخوذ تھیں۔ ابتدائی زمانہ میں رینائینس کا دائرہ عمل محض قدما کی تقلید تک محدود تھا۔ اٹلی کے طرز پر بہت سی اکاڈمیاں قائم کیگئیں۔ سینیکا[2] کے انداز پر ڈرامے لکھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ جو اٹلی اور فرانس کے ڈراموں سے کسی طرح کم درجہ نہ تھے۔ فن تنقید اور شاعری کی حقیقت پر مختصر مضامین اور رسالے بکثرت لکھے جاتے تھے۔ گویا یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ اٹلی کی طرح انگلستان میں بھی رینائینس محض خارجی اثرات کا پابند ہو کر رہ جائیگا۔ لیکن انگلستان کی طبعی قوت نے رفتہ رفتہ ابھرنا شروع کیا۔ اور ان اثرات سے جو اس کے مذاق کے خلاف تھے۔ متاثر ہوئی۔ چونکہ نظام سلطنت جمہوری تھا۔ اور بجائے ظلم اور استبداد کے لوگوں میں حق و آزادی کی روح حرکت کر رہی تھی۔ اس لئے ملک کا فطری مذاق پامال نہ ہو سکا۔ اور نہایت آزادی کے ساتھ لٹریچر کے قالب میں روز بروز بڑھتا گیا۔ انہی حالات کے ساتھ اسپنسر نے دنیا کے سامنے اپنی رزمیہ نظم پیش کی جو قرون وسطی۔ اٹلین رینائینس اور جدید دور ترقی کے مختلف اور گوناگوں اثرات سے لبریز تھی۔ انہی حالات کے ساتھ ایلیزبتھن ڈراما جو انگلش رینائینس کا حقیقی آئینہ ہے۔ عالم وجود میں آیا۔ جسنے فطرت انسانی کے تمام راز ہائے سربستہ کھولکر رکھ دیئے۔ جس نے قدیم تاریخوں کے قالب میں حقیقی زندگی کی روح پھونک دی۔ جس نے اٹلی۔ اسپین۔ جرمنی کے افسانوں سے سیرت نگاری کا کام لیا۔ جس نے شاعرانہ تخیلات ساتھ زندگی کے روزانہ واقعات بھی دنیا کے سامنے پیش کئے۔ غرض جن گوناگوں حالات و واقعات۔ احساسات و جذبات۔ اخلاق و عادات کی تصویر ایلیزبتھن ڈراما میں نظر آتی ہے۔ اس کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ ڈراما حقیقت میں رینائینس کا اہم ترین

[1] وہ بحر جس میں قافیہ نہ ہو۔ [2] یہ قدیم یونان کا بہت بڑا ڈراما نویس گذرا ہے۔

نتیجۂ عمل تھا جس کا روح و رواں شیکسپیر تھا جس نے ڈراما کو فطرت انسانی کا آئینہ بنا دیا۔ اس سلسلہ میں بیکن کا بھی نام لینا ضروری ہے۔ جو انگلش رینائسنس کا تیسرا نمایندہ ہے۔ اس کا اصلی کارنامہ فخر جدید سائنٹیفک طرز خیال کی ایجاد و تشریح ہے یعنی بجائے مفروضات کے اب سائنس کے مطالعہ میں مشاہدہ اور تجربات سے کام لیا جاتا ہے۔ بیکن کے زمانہ تک لوگ اشیاء کے متعلق جو نتائج قائم کرتے تھے۔ ان کی بنیاد محض سطحی اور غیر صحیح مطالعہ پر ہوتی تھی۔ وہ اشیا کی تمام خصوصیات پر غور کرنے کی پروا نہیں کرتے تھے۔ اس لئے بہت سی باتیں فرض کر کے استنباط نتائج کر لیتے تھے بیکن نے سب سے پہلے اپنی تصنیفات کے ذریعہ سے اس طریقہ کی غلطیوں کا انکشاف کیا۔ اور اس طریقہ کی بنیاد ڈالی۔ جو آج تک برابر سائنس کے مطالعہ کا سنگ بنیاد رہا ہے یعنی اشیاء کی تمام خصوصیات پر غور کرنا۔ اور پھر اصول تجربہ کے موافق ان کے متعلق نتائج کا استخراج کرنا۔

اس موقع پر ان بحری سیاحوں کا بھی تذکرہ کر دینا چاہئے۔ مثلاً ریلے۔ ڈریک۔ ہاکنس جنہوں نے اسپین اور پرتگال کی طرح انگلستان کے لئے نو آبادیوں کا ایک مستقل راستہ کھول دیا۔

ان واقعات کے دوران میں ایک طرف ٹیوڈر اور اسٹیوارٹ[۵۱] کی سیاسی پالیسی نے نظام سلطنت کو بجائے جمہوریت کے شخصیت کی طرف مائل کر دیا تھا۔ اور دوسری طرف ریفارمیشن میں کم بینی اور تنگ خیالی کے اثرات نمایاں ہو رہے تھے۔ چنانچہ پیوریٹنس کا ایک مستقل گروہ وجود میں آ گیا۔ جس نے رینائینس کے اخلاق و فنون کیتھالیزم کے ناجائز مطالبات، اور شاہی دربار کی بد اخلاقیوں کے خلاف اس زور سے صدائے احتجاج بلند کی۔ کہ تھوڑے دنوں کے لئے کامن ولتھ کے زمانہ میں ریفارمیشن اور رینائینس کے بنیادی ترانے بے اثر ہو کر رہ گئے۔ علاوہ اس کے اس تحریک نے آئینی خود مختاری کی آخری فتح کا بھی پھریرا اڑایا جس کا محرک اعظم ملٹن تھا جس نے اس تحریک کی حمایت میں اپنا سارا زور اور قابلیت صرف کر دی۔

جدید سیاسی تعلقات یورپ میں جن کی ابتدا رینائینس سے ہوئی | رینائینس ایک نہایت وسیع اور ہمہ گیر تحریک تھی۔ جس کا اثر محض دماغ و قلم تک محدود نہ تھا۔ مذہب۔ سیاست۔ تمدن۔

[۵۱] انگلستان کے شاہی خاندانوں کے نام ہیں [۵۲] یہ نہایت سخت مذہبی گروہ تھا۔

اخلاق - غرض انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اس کے عالمگیر اثر سے محفوظ نہ رہ سکا - اس نے جس طرح کلیکس کے ذریعہ سے یورپ کی دماغی اور اخلاقی حالتوں میں ایک اہم انقلاب پیدا کر دیا اسی طرح اس نے یورپ کے سیاسی اور بین الاقوامی تعلقات کا قالب بدل دیا - یعنی ایمپائر اور چرچ جو قرون وسطی کے آسمان سیاست کے مہر و ماہ تھے - ان کے پرخچے اُڑ گئے - اور مختلف آزاد قوموں کی ایک جماعت وجود میں آئی - جو کسی مرکزی قوت کی پابند نہ تھی - ہر قوم کی خصوصیات الگ تھیں - ہر قوم اپنی حدود سلطنت کے اندر کامل طور پر آزاد تھی لیکن عام میلان طبع - عام جد و جہد - عام تعلیم و تربیت کے لحاظ سے تمام قومیں ایک دوسری سے متحد اور متفق تھیں - قرون وسطی میں ایک خاص مرکزی سلطنت تھی - جو یورپ کی تمام قوموں پر حکمرانی کرتی تھی - ایک خاص مرکزی چرچ تھا - جو یورپ کے تمام چرچوں کا تنہا فرمانروا تھا - ریناسینس نے اس سلطنت اور چرچ کی عالمگیر حکومت کو مٹا کر "توازن قوت" کا اصول قائم کیا - جو آج یورپ کے موجودہ سیاسی تعلقات کا سنگ بنیاد ہے - اور اب یورپ کی مذہبی یا دنیوی حکمرانی کسی خاص سلطنت کی ملک نہیں ہے - بلکہ اس قوم کا حق ہے جو دماغی اور ذاتی زور و قابلیت کے لحاظ سے اس کی صلاحیت رکھتی ہے -

جدید یورپ کی دو سیاسی جماعتیں

جدید یورپ کی دو سیاسی جماعتیں جو ہمارے ملک میں حزب الاحرار اور حزب المستبدین کے نام سے روشناس ہیں - ان کی بھی ابتدا ریناسینس کے زمانہ سے ہوئی - سولھویں صدی کے آغاز میں "احیاء علم" کا آفتاب اٹلی میں نصف النہار تک پہنچ چکا تھا - کہ ۱۵۱۷ء میں لوتھر نے اپنا وہ عظیم الشان مضمون شائع کیا - جو ریفارمیشن کا سنگ بنیاد تھا - اور جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں - ریفارمیشن اٹلین ریناسینس کا سخت مخالف تھا - جس نے چرچ کی اخلاقی حالت کو نہایت متبذل اور ابتر کر دیا تھا - اور لوتھر انہی خرابیوں کو دور کرنا چاہتا تھا - اس لئے اس زمانہ میں دو پارٹیاں قائم ہو گئیں - جو عظمت اور اقتدار کے لئے برابر باہم نبرد آزما ہیں - ایک پارٹی وہ تھی جو اصلاح و ترقی کی موید تھی - جس کو آج کل یورپ میں لبرل کہتے ہیں یعنی حزب الاحرار - یہ پارٹی خاص طور پر ٹیوٹانک[1] قوموں میں کامیاب ہوئی - اور دوسری جماعت وہ تھی جو موجودہ نظام تمدن

[1] یعنی جرمن

میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کی روادار نہ تھی۔ جو اس وقت کنسرویٹیو کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اس پارٹی کا اثر زیادہ ترلٹین قوموں پر پڑا۔ جن کی حمایت میں اسپین اور پوپ نے نہایت پُرجوش حصّہ لیا۔ اور تھوڑی دیر کے لئے ریفارمیشن اور رینائینس کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا۔ لیکن اس زمانہ کی مختلف حالتوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے ان تمام موانع پر بھی جو انقلاب یورپ میں پیدا ہو چکا۔ اس کا کسی نہ کسی وقت مستقل صورت اختیار کرنا ضرور تھا۔ یعنی علم کی بنیاد زیادہ صحیح اور مستحکم اصول پر قائم ہوتی۔ اور آزادی سینکڑوں انقلابات و کشمکس کے بعد معراج کمال تک پہنچتی۔ ان تمام چیزوں کا باقاعدہ طور پر ظہور پذیر ہونا بالکل مقتضائے وقت کے موافق تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو رینائینس یا یُورپ کا "دوبارہ زندہ ہونا" ایک لفظ بے معنی تھا۔

مرزا احسان احمد

قند پارس

(حضرت اظہر علی آزاد ایم۔ آر۔ اے۔ ایس (لندن) ادبی نقاد)

گاہ ہمچوں گُل چو خنداں نیستم — نیز ہمچوں ابر گریاں نیستم
گل فشانم در رہِ خلقِ خدا — نیست غم گر گُل بداماں نیستم
دولتِ حسنِ عمل افشاندہ ام — گر تہیدستم پشیماں نیستم
ایں تہیدستی زمن چیزے بکرد — انچہ بودم غیر از آں نیستم
ایں نباشد شکوۂ بیچارگی — چارہ جو از ناسزایاں نیستم
گر بحق کوشی بسر بردیم عمر — غیر از حق نیز جویاں نیستم
کس بنانے کے نخرد آزاد را — گر فقیرم چشد ارزاں نیستم

اُردو اور اہل زبان

گذشتہ سے پیوستہ

پیو بھی پلاؤ بھی! اس کا مزا ہے

یہ مینا رکھا ہے یہ ساغر دھرا ہے

"پلاؤ" کی واؤ کی ہمزہ بن بلاؤ کی طرح چلا رہی ہے۔" رکھا" بلا تشدد کے آیا ہے۔ رکھا چاہئے تھا دوسرے مصرعہ میں دو مختلف فعل معنی کی خوبی کو دوبالا نہیں کرتے۔بلکہ گھٹا دیتے ہیں۔ایسے موقعہ پر تکرار ہی مزا دیتی ہے۔اس شعر کو اس طرح بہتر بنا سکتے ہیں ؎

پیو اور پلاؤ اسی میں مزا ہے یہ مینا دھرا ہے یہ ساغر دھرا ہے

مزا ہے یہی بات میں بات نکلے

ادا میں ادا جب نہ ہو پھر تو کیا ہے

" پھر" کا ہیر پھیر ہماری سمجھ میں نہ آیا۔"تو پھر ہوتا تو ٹھیک تھا۔حرف جزا شرط کے بعد ہی آجانا چاہئے۔

میخانہ میں کیا لطف ہے کیا مانگ ہے ساقی

آواز چلی آتی ہے لا اور پلا اور

" اور" یہ مانگ بھی خوب نکالی کسی نے شاہد رعنائے سخن کا حُسن دوبالا ہو گیا۔یہ مصرعہ یوں کہنا چاہئے تھا۔" میخانہ میں کیا بھیڑ ہے کیا شور ہے ساقی"

مَیں بھی تو آزمایش مہر و وفا کروں

میرا تو امتحان کئی بار ہو چکا

معشوق نے مہر و وفا کا دعوے ہی کب کیا تھا۔کہ آپ کمر باندھکر ان صفات عاشقانہ

کی آزمائش پر تیار ہو گئے۔ نفیس مذاق والے ضرور کہینگے کہ "یہ تو تو" کھلتی ہے۔

کبھی کی ہو چکی جاں تک بھی نذر جانستاں طالب
دھرا ہے خاک یاں لینے جو کچھ اب موت آنی ہے

اس شعر میں کئی نقص واقع ہوئے ہیں۔ اوّل تو "جاں" میں اعلان نون چاہئے۔ پھر یہ کہ محض "جانستاں" معشوق کی جگہ نہیں آسکتا۔ اسے بطور صفت استعمال کر سکتے ہیں۔ سب سے بڑھکر "یہاں" کی جگہ "یاں" باندھا ہے۔ جو مدت سے متروک ہے۔ "کچھ" بھی واہیات ہے۔ اوّل مصرعہ میں "بھی"۔ بھی بھرتی ہے محض بھرتی۔ جب "جان تک" کہہ چکے جو دُنیا کا خاتمہ کر چکے۔ "بھی"، "تک" کے معنے کی کچھ تذلیل ہی کرتا ہے۔ نہ کہ تفضیل۔ اس کی جگہ تو ہوتا تو مضائقہ نہ تھا۔ غرضکہ یہ شعر بالکل لچر ہے۔ مگر ہاں ان زمانوں کا کی زباں کا پورا نمونہ ہے۔

اس کی سیدھی سیدھی باتیں دل میں چبھتی ہیں بہت
ایسا ویسا تم نہ سمجھو اُس کو بیدل دُور سے

دوسری "سیدھی" کی اخیر کی ی تقطیع کے اڑگڑے کو دولتی لگا کر سیدھی تھان کو بھاگتی ہے۔

اب سانس کے لینے کی بھی طاقت نہیں باقی
بیدل کا بُرا حال ہے اللہ بچالے

اول مصرعہ میں سانس کے بعد "کے" غلط اور غیر فصیح ہے۔

بھلا میں اس کے چکمے میں کہیں آنیکے قابل ہوں
اگر اغیار بیڈھب ہیں تو یارول میں بھی بیدل ہوں

اوّل مصرعہ میں ذم کا پہلو ہے۔ "چکمے" نے بیطرح "میں میں" کی ہانک لگائی ہے۔ لفظ "قابل" کے معنی نہیں جو شاعر اسے پہنانا چاہتا ہے محض بیدل کے ساتھ قافیہ پیمائی ہے۔ دوسرے مصرعے میں بیڈھب اور بیدل کا جوڑ میل۔ اے صل وجل یہ شعر بالکل عامیانہ اور بازاری زبان میں ہے۔ صاحبو ذرا اس "یارول"! کو بھی یاد رکھنا!

سچ پوچھیے تو ملنا ممکن نہیں جہاں میں
دانا بھی آدمی سا نادان بھی بشر سا

دونوں جگہ یا آدمی ہی لاؤ یا بشر۔ یہ تنوع معنی کی خوبی کا خون کرنا ہے۔

میکدہ دُور ہے کتنی اے شیخ
لو آؤ ابھی پی کے چلے آتے ہیں

اس شعر کی اوّل تو تقطیع ملاحظہ ہو اور پھر مصرعہ اولیٰ پر توجہ ہو۔ پڑھنے والے کو یہ شبہ ہوتا ہے۔ کہ شاعر شیخ سے دریافت کرتا ہے۔ کہ میکدہ کتنی دُور ہے۔ مہربانی سے بتا دیجئے۔ یہ دھوکہ "کتنی" کے استعمال نے دیا۔ بولتے یوں ہیں۔ میکدہ ہے ہی کتنی دُور۔ چلو آؤ۔ ابھی پی کے چلے آتے ہیں "لو آؤ" بھی خلاف محاورہ ہے۔

عاشق کی دلداری دلبر کیا ہی خدارا کرتے ہو
ان نیچی نیچی نظروں سے تم کام ہمارا کرتے ہو

مانا یہ شعر آجکل کا نہیں۔ مگر کیا شاعر نے دیوان حافظ بھی نہیں پڑھا تھا۔ اگر صرف و نحو فارسی سے بے بہرہ تھا تو یہ تصرف بیجا چہ معنی دارد۔ لفظ خدارا حرف ندا و ندبہ کے طور پر آتا ہے۔ ضمن کلام میں مثل توابع نہیں آتا خواجہ حافظ فرماتے ہیں ؎ دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدارا

ارادہ گدگدی کا اور نہ قصد بوسہ یاں دل میں
بھلا تم بیٹھے بیٹھے بے تکلف کیوں سنبھل بیٹھے

"یاں" متروک کم سے کم ہونا کے شعر میں نہیں آنا چاہئے۔ بے تکلف کے معنے گم۔ بھلا حشو قبیح آ کے پڑا ہے۔

بت ہی بنکر آن بیٹھیں گے بلالو تم ہمیں
کاٹ لینا تم زباں گر لب ہلائیں سامنے

"آن بیٹھیں گے" پرانی زبان ہے۔ "کاٹ لینا" میں ذم کا پہلو ہے۔ ہلیں لب اور

کاٹی جائے زبان۔ بھئی یہ کیوں۔ کوئی کرے۔ کوئی بھرے۔ "لب ہلائیں" کی جگہ "کچھ بھی لوں" وغیرہ فعل مفرد لانا چاہئے تھا۔

یاں تلک آکے پھر اُلٹا تمہیں جانا کیا تھا
کیا زمیں ماپنے آئے تھے یہ آنا کیا تھا

"یاں" اور "تلک" دونوں یقیناً متروک ہیں۔ اُلٹا کا الف ماقبل تقطیع میں ساقط ہے۔ "زمین" کے نون کا اعلان چاہئے۔

یہ کبھی ہونی نہیں مَیں تمہیں سونے دوں آج
لاکھ اب آپ لیا کیجئے انگڑائیاں

"یہ کبھی ہونی نہیں" مبتذل روزمرّہ ہے۔ شتر گربہ کا شدید نقص اس شعر میں واقع ہوا ہے۔ "تمہیں" کے ساتھ "آپ" نتھی کیا گیا ہے۔ یہ انداز کلام اہل زبانوں کا ہے۔ "اب" بھرتی ہے۔

ڈبا دیا مجھے اس چشم تر کو کیا کوسوں

کیوں؟ اسی چشم نے تو دل میں خار غم چھپا دیا تھا۔ اب ڈبا دیا تو کیا غضب کر دیا۔ سمجھے آپ؟

لو ہم ہی اس جہان سے روپوش ہو چلے
تہ کر رکھو اب آپ اس اپنے حجاب کو

"رکھو" میں ک بلا تشدید واقع ہوا ہے۔ جو غیر فصیح ہے۔ دوسرے مصرعہ پر شتر گربہ شدت کے ساتھ عاید ہے۔

نہ رد کو مجھ کو یہ کہہ کر کہ ہا! سُنو تو سہی
وصال میں ہے ستم یہ ادا سُنو تو سہی

دوسرے مصرعہ میں "سُنو تو سہی" کی جگہ "دیکھو تو سہی" چاہئے تناسب معنی کے اعتبار

سے۔ اوّل مصرع میں یہ "ہا" معہ علامت ندا کہاں کی زبان ہے۔

دل کھول کے مل چکئے جو میرے ملنا ہے
آنکھیں بھی دکھاتے ہو پھر مُنہ بھی چھپاتے ہو

"مل چکئے" اور "دکھاتے ہو" وغیرہ ایک ہی شخص کی شان میں کہا گیا ہے۔ ڈبل شتر گربہ۔

کیا دیکھتا ہے ہاتھ مرا چھوڑ دے طبیب
یاں جان ہی بدن میں نہیں نبض کیا چلے

"یاں" متروک کتنی بار کہلائیگا۔

اب ہم تنقید کے اس سلسلہ کو ختم کرتے ہیں۔ اہل نظر سمجھ گئے ہونگے۔ کہ "اہل زبانوں" کا مذاق زبان کی فصاحت اور صحت کے باب میں کتنا نفیس ہے۔ ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ لوگ اپنی دھن میں ایسے مست پڑے ہوئے ہیں۔ کہ متروکات۔ ممنوعات۔ رکاکت۔ ذم وغیرہ کے معلوم کرنے کی حس ہی ان میں نہیں۔ پھر یہ تو بہت دُور ہے۔ کہ وہ اردو کی یا کسی کی اُردو کی اصلاح کر سکیں۔ نہ کبھی یہ کام اُن سے بن پڑا۔ اُردو ادب کی تاریخ بتاتی ہے۔ کہ اردو کا اوّل مصلح۔ اور وہی سب سے بڑا مصلح ہوا ہے۔ دہلی یا لکھنؤ کا نہ تھا بلکہ آگرہ کا رہنے والا تھا۔ اس بزرگ کا نام سراج الدین علیخاں عرف خان آرزو ہے۔ دِلّی والے اسی پر جامہ میں پھُولے نہیں سماتے کہ خان آرزو کا انتقال اگرچہ لکھنؤ میں ہوا۔ لیکن وہ بموجب اپنی وصیّت کے خاکِ پاک دہلی میں دفن کئے گئے۔ اس بزرگ کی نسبت آزاد مرحوم لکھتے ہیں:-

"خان آرزو کو زبان اُردو پر وہی دعوے پہنچتا ہے۔ جو کہ ارسطو کو فلسفہ منطق پر ہے۔ جب تک کہ کل منطقی ارسطو کے عیال کہلائینگے۔ تب تک اہل اُردو خان آرزو کے عیال کہلاتے رہینگے۔"

اس سے زیادہ علمی خدمت کا صلہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ ایک دِلّی والا اور وہ بھی کون۔ آزاد مرحوم۔ یہ اقرار اور اقبال کرے۔ اس بزرگ نے نہ صرف یہ کیا کہ اُردو کو مزخرفات اور سُوقیانہ

حیثیت سے نکالکر اُسے واقعی ایک زبان بنایا۔ ترمیم و اصلاح کا دروازہ کھولا اور اُسے ایک مستقل حیثیت دی۔ بلکہ ایسے ایسے شاگرد تربیت کر کے تیار کئے۔ جن پر اہل اُردو کو ناز ہے یعنی مرزا جانجاناں مظہر۔ میر محمد تقی میر۔ مرزا رفیع سودا۔ اور خواجہ میر درد وغیرہ۔ ذوق مرحوم کے حالات زندگی پڑھنے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ وہ صرف ایک ہی شخص کو اپنا کلام سُنایا کرتے تھے۔ اور اُسی کو سخن فہم سمجھتے تھے۔ ان کا نام نثار علیشاہ تھا۔ اور وہ اورنگ آباد کے رہنے والے تھے۔ گویا ساری دِلّی ان کے نزدیک نافہم تھی۔ اور اس باب میں شیخ کی مصلحت اندیشی قابل صاد ہے کیونکہ دہلی میں تو کبھی کسی کو صحیح مذاق سخن کا مس ہی نہیں ہوا۔

غرضکہ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا۔ کہ اُردو کا اوّل اور سب سے بڑا مصلح بھی دہلی کا نہیں تھا۔ پس جسے وہ اپنی زبان کہتے ہیں۔ اس کی اصلاح تک کا فخر بھی ان کو حاصل نہیں۔ نہ وہ اس زبان کے بانی ہیں۔ نمونے جو ان کے کلام کے پیش کئے جاتے ہیں ان کی حقیقت بھی آپ نے دیکھی۔ پھر کیوں کوئی انہیں اُستاد مانے۔ اور ان کے آگے سر جھکائے۔

مشاہیر شعرائے اہل زبان کے کلام و تصانیف پر تنقید کا سلسلہ آئندہ نمبر سے شروع ہوگا۔

شیر پنجاب

انتقام اولیٰ کہ ترک انتقام

حکیم ناطق صاحب کانپوری نے حضرت یاس لکھنوی کی ایک غزل (افسانہ بنے پروانہ بنے) پر ۱۲ اپریل ۱۹۱۸ء کے اودھ پنچ میں چار پانچ مہمل اعتراض کئے تھے۔ اور شوکت میرٹھی کی چند رُباعیوں پر بھی قلم فرسائی کی تھی۔ ناطق صاحب بیٹھے بٹھائے بھڑ کے چھتے کو چھیڑ کر الگ ہو گئے۔ اور خمیازہ حضرت کو اُٹھانا پڑا۔ حضرت یاس کب خاموش رہنے والے تھے۔ آپ نے ناطق صاحب کے اعتراضات کے دندان شکن جواب دینے کے علاوہ حضرت عزیز لکھنوی پر چار اعتراض کے عوض پچھتر اعتراض کئے ہیں۔ اور یہ مضمون نظارہ کے جولائی نمبر میں "اندھی نگری" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت یاس نے جو اعتراضات کئے ہیں۔ ان کا بیشتر حصہ ایسا ہے جس کا صحیح معنی میں جواب نہیں ہو سکتا۔ مگر میں اس مضمون میں یہ دکھاؤنگا۔ کہ بات کا جواب کچھ نہ کچھ ضرور ہو سکتا ہے۔ پہلے تو مجھے حیرت ہوئی تھی کہ ناطق صاحب کے اعتراضات کا عوض "عزیز صاحب" سے کیوں لیا گیا۔ مگر بقول شخصے۔ کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں۔ کچھ نہ کچھ دال میں کالا ضرور ہے۔ افسوس ہے کہ جناب عزیز صفی اور دیگر حضرات لکھنؤ حضرت یاس سے مخالفت کر کے بے کار بدنام ہوئے۔ یہ وقت ایسا نہیں ہے۔ کہ آپس کی خانہ جنگیوں میں ضائع کیا جائے۔ اسوقت اُردو کے کروڑوں دشمن اس زبان کو صفحۂ ہستی سے فنا کر دینے کے لئے نہایت سرگرمی سے کام کر رہے ہیں۔ لہٰذا حامیان اُردو کو اس نازک وقت میں حسد و نفاق سے توبہ کرنا اور زبان کی ترقی کی کوششیں کرنا چاہئیں۔ میں جناب یاس سے بھی اتنا ضرور عرض کرونگا۔ کہ حضرت عزیز یا دیگر مشاہیر سے اتنا سخت انتقام لینا مقتضائے وقت کے بالکل خلاف تھا۔ اب میں حضرت یاس کے اعتراضات کے جوابات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں ؎

۱ ؎ جماہی آتی پھولوں کو اودھر ذکر صراحی سے　　اِدھر غنچوں نے شاخوں پر پھر اک پوری چٹکائی

انتقام اولیٰ کہ ترک انتقام۔ حضرت عزیز لکھنوی کے کلام پر مرزا یاس نے کسی رسالہ میں اعتراضات شائع کرائے تھے جناب اشک لکھنوی نے ان اعتراضات کے جوابات دینے کی کوشش کی ہے۔ جواب دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اشک صاحب نے مرزا یاس سے بہت زیادہ خیالات کے بعد جوابات لکھے ہیں۔

انتقام اولیٰ کہ ترک انتقام

حکیم ناطق صاحب کانپوری نے حضرت یاس لکھنوی کی ایک غزل (افسانہ بنے پروانہ بنے) پر ۱۲ اپریل ۱۹۱۸ء کے اودھ پنچ میں چار پانچ مہمل اعتراض کئے تھے۔ اور شوکت میرٹھی کی چند رُباعیوں پر بھی قلم فرسائی کی تھی۔ ناطق صاحب بیٹھے بٹھائے بھڑ کے چھتے کو چھیڑ کر الگ ہو گئے۔ اور خمیازہ حضرت کو اٹھانا پڑا۔ حضرت یاس کب خاموش رہنے والے تھے۔ آپ نے ناطق صاحب کے اعتراضات کے دندان شکن جواب دینے کے علاوہ حضرت عزیز لکھنوی پر چار اعتراض کے عوض پچھتر اعتراض کئے ہیں۔ اور یہ مضمون نظارہ کے جولائی نمبر میں "اندھی نگری" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت یاس نے جو اعتراضات کئے ہیں۔ ان کا بیشتر حصہ ایسا ہے جس کا صحیح معنی میں جواب نہیں ہو سکتا۔ مگر میں اس مضمون میں یہ دکھاؤنگا۔ کہ بات کا جواب کچھ نہ کچھ ضرور ہو سکتا ہے۔ پہلے تو مجھے حیرت ہوئی تھی کہ ناطق صاحب کے اعتراضات کا عوض "عزیز صاحب" سے کیوں لیا گیا۔ مگر بقول شخصے۔ کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں۔ کچھ نہ کچھ دال میں کالا ضرور ہے۔ افسوس ہے کہ جناب عزیز صفی اور دیگر حضرات لکھنؤ حضرت یاس سے مخالفت کر کے بے کار بدنام ہوئے۔ یہ وقت ایسا نہیں ہے۔ کہ آپس کی خانہ جنگیوں میں ضائع کیا جائے۔ افسوس اُردو کے کروڑوں دشمن اس زبان کو صفحۂ ہستی سے فنا کر دینے کے لئے نہایت سرگرمی سے کام کر رہے ہیں۔ لہٰذا حامیان اُردو کو اس نازک وقت میں حسد و نفاق سے توبہ کرنا اور زبان کی ترقی کی کوششیں کرنا چاہئیں۔ میں جناب یاس سے بھی اتنا ضرور عرض کرونگا۔ کہ حضرت عزیز یا دیگر مشاہیر سے اتنا سخت انتقام لینا مقتضائے وقت کے بالکل خلاف تھا۔ اب میں حضرت یاس کے اعتراضات کے جوابات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں ؎

(۱) جماہی آتی پھولوں کو اودھر ذکر صراحی سے ادھر غنچوں نے شاخوں پر ہر اک پور اپنی چٹکائی

انتقام اولیٰ کہ ترک انتقام: حضرت عزیز لکھنوی کے کلام پر مرزا یاس نے کسی رسالہ میں اعتراضات شائع کرائے تھے جناب اشک لکھنوی نے بعنوان اعتراض کے جوابات دینے کی کوشش کی ہے جواب دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اشک صاحب نے مرزا یاس سے تبادلہ خیالات کے بعد جوابات لکھے ہیں۔

اعتراض - یہ قصیدہ بہاریہ جناب ختمی مآب کی شان میں ہے۔ جس کی تشبیب میں یہ بیت بھی داخل ہے۔ پہلی بات دیکھنے کی یہ ہے کہ پھولوں کو جماہی آنا یعنی چہ ؟ ذکر صراحی سے اگر منہ بند کلی کو جماہی آتی تو اس کے معنی ٹھیک ہو سکتے تھے یعنی کلی کھل کر پھول ہو گئی۔ مگر پھولوں کا منہ تو کھلا ہی ہوتا ہے۔ اب اگر ذکر صراحی سے پھولوں نے جماہی لی تو کیونکر لی منہ تو پہلے ہی کھلا ہوا تھا۔ کھلے ہوئے منہ سے جماہی لی تو منہ کی کیا حالت ہو گی۔ اب تو منہ منہ نہ رہا۔ کچھ اور ہو گیا۔ معنی کچھ بھی ہوں مگر کھلے ہوئے منہ سے جماہی لینا نئی بات ضرور ہے۔

۲۷ دوسری غلطی - ہر ایک پور سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ غنچوں میں پوریں بھی ہوتی ہیں۔ اور ایک سے زیادہ ہوتی ہیں۔ حالانکہ اس بات کا وجود خارج میں نہیں ہے۔ بانس کی پوریں نیشکر پوریں انگلیوں کی پوریں سنی تھیں۔ غنچہ کی پوریں نیا انکشاف ہے۔ ہاں غنچوں کے چٹکنے اور پوروں کے چٹکنے سے جو آواز نکلتی ہے اُسے قدر مشترک مانکر وجہ شبہ قرار دیں۔ تو ایک صورت تشبیہ پیدا ہو سکتی ہے۔ مگر اس میں ایک اور قباحت لازم آتی ہے۔ کیونکہ شاعر کہتا ہے۔ کہ غنچوں نے ہر اک پور اپنی چٹکائی یعنی ایک کلی کئی بار چٹکی۔ حالانکہ یہ امر بھی واقعیت سے کہیں دور ہے۔ کلی ایک دفعہ چٹکتی ہے دوبارہ نہیں چٹکتی۔ اگر غنچہ کے چٹکنے کو پور چٹکانے سے استعارہ کریں تو زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہر غنچے نے اپنی پور چٹکائی۔ کیونکہ کلی ایک ہی بار چٹکتی ہے۔ جب ایک ہی بار چٹکتی ہے تو گویا ایک ہی پور ٹھہری۔ مگر جس شے میں ایک ہی پور ہو تو اُس پر پور کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ پوروں کا اطلاق جب ہو سکتا ہے۔ کہ ایک سے زیادہ جوڑ یا گرہیں ہوں۔ لہذا یہ استعارہ غلط ہے"۔

یہانتک تو حضرت یاس کی موشگافیاں تھیں۔ مگر جواب بھی سن لیجئے۔ یعنی حضرت عزیز کا مطلب یہ ہے کہ شاخ پر جتنے غنچے تھے سب نے اپنی اپنی پور چٹکائی غنچے تو بہت ہیں مگر ہر ایک غنچہ کی ایک ایک پور ہے وہی ایک پور ہر غنچہ نے چٹکائی۔ اور یہ بات کہ غنچہ پر پور کا اطلاق نہیں ہو سکتا ہو کیوں نہیں سکتا۔ شاعرانہ تخیل ہے۔ شاعر غنچے کو پور سے تشبیہ دیتا ہے۔ اور یہ بھی کوئی ضرور نہیں کہ جب ایک سے زیادہ پوریں ہوں تو پورا اطلاق ہو سکتا ہے ورنہ نہیں ہو سکتا۔

اسی قصیدہ میں بہار کا سماں دکھلاتے فرماتے ہیں ؎

چمن ہے اور شب مہتاب کی پھیلی ہوئی چادر — ادھر دیکھا اُدھر دیکھا تجلی ہی نظر آئی
کہیں پر ہے بتانِ خطۂ شیراز کی صحبت — کہیں معشوق تبریزی کہیں ترکانِ یغمائی
میانِ صحنِ گلشن حسن و عشق آپس میں نازاں ہیں — ہر اک کو اُنمیں ہے اپنی جگہ نازِ خود آرائی
رہی دن بھر یہ صحبت گرم حسن و عشق میں باہم — ہوئی جب رات اور صحنِ چمن میں چاندنی آئی

۳ اعتراض۔ مہتاب کی چادر تک تو مضایقہ نہ تھا۔ مگر شب مہتاب کی چادر نیا مال ہے۔

جواب۔ اس اعتراض کا جواب جناب عزیز دینگے۔ چادر شب اور چادر مہتاب تو مستعمل ہے۔ مگر شب مہتاب کی چادر میری نگاہ سے نہیں گذری۔ جناب عزیز نے کسی اُستاد کے کلام میں ضرور ملاحظہ کیا ہوگا۔

۴ اعتراض۔ پھر فرماتے ہیں کہ کہیں حُسن و عشق آپس میں نازاں ہیں۔ اور ہر ایک کو اپنی جگہ نازِ خود آرائی ہے۔ حُسن تو حُسن ہے عشق کی صفت خود آرائی نئی صفت ہے۔ غالباً شاعر نے خود نمائی کے معنی میں کہا ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ اجتہاد آپ ہی کو مُبارک ہو۔

جواب۔ جناب یاس کا اعتراض یہ ہے کہ حُسن کی صفت تو خود آرائی ہو سکتی ہے مگر عشق کی صفت میں خود آرائی داخل نہیں ہے۔ مَیں عرض کرونگا۔ کہ عاشق بھی ہمہ تن ناز ہوتا ہے۔ لہٰذا عشق کے لئے خود آرائی کی صفت کچھ ایسی بیجا نہیں ہے۔

۵ اعتراض۔ رہی دن بھر یہ صحبت الخ۔ یہ شعر نہایت قہقہ انگیز ہے۔ پہلے تو یہ کہا کہ رات کا وقت ہے۔ صحن چمن میں چاندنی چھٹکی ہوئی ہے۔ صحبت گرم ہے اور اب ارشاد ہوتا ہے۔ کہ رہی دن بھر یہ صحبت گرم۔ سماں تو آپ رات کا دکھا رہے ہیں۔ اور آخر میں یہ فرماتے ہیں۔ کہ رہی دن بھر یہ صحبت گرم۔ واہ کہاں سے کہاں پہنچے۔ چاندنی تو پہلے ہی سے موجود تھی۔ چاندنی کے بعد پھر چاندنی اور رات کے بعد پھر رات اور بیچ سے دن غائب صلّ وجل۔ رات کے بعد دن کا ذکر کرتے اور اُس کے بعد پھر دوسری رات کا ذکر کیا جاتا۔ تو البتہ ایک بات بھی تھی جناب عزیز کے

ہواخواہوں میں سے ایک صاحب فرمانے لگے۔ کہ یہ کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ شاعر نے یوں کہا ہوگا ؎

رہی شب بھر یہ صحبت گرم حسن و عشق میں باہم
ہوئی جب رات اور صحن چمن میں چاندنی آئی

اگر فی الواقع حضرت عزیز نے یوں ہی فرمایا ہے تو پھر اس صورت میں بھی وہی عیب باقی رہتا ہے یعنی شب بھر صحبت گرم رہی اُس کے بعد پھر رات ہوئی اور صحن چمن میں چاندنی آئی۔ (دن بیچ سے غائب) جناب والا بات بنانے کے لئے بھی مُنہ چاہئے۔ ناظرین قصائد عزیز کے صفحہ ۷ پر اس شعر کو اور اشعار سے ملا کر پڑھیں۔ انہیں ابیات نامربوط پر قصیدہ نامربوط پر قصیدہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور یہی جناب عزیز کا معیار کمال ہے۔ اسی پر آپ فخر عرفی و غالب بنتے ہیں ؎

بازار مصر میں چل یوسف کا سامنا کر
کھوٹے کھرے کا پردہ کُھل جائیگا چلن میں

آتش

جواب حضرت یاس کے اس اعتراض کا جواب ممکن نہیں۔ ابیات کے سلسلہ میں اس بیت کے کچھ معنی نہیں ہو سکتے۔ فاش غلطی ہے۔ ہم سخن سنج ہیں۔ غالب سے طرفدار نہیں۔

صدا یہ ہے کہ قدم تک کسی کی زلف آئی
ہے تا بہ حشر اسیروں کی مدت میعاد

صہ ۱۱۷

علا اعتراض۔ یہ تو وہی بات ہوئی جیسے جہلا کہتے ہیں۔ شب لیلۃ القدر کی رات۔ روز قیامت کا دن۔ موسم برسات کی فصل۔ آب حیات کا پانی وغیرہ۔ میعاد کے معنی وعدہ گاہ یا زمان وعدہ کے ہیں۔ یعنی ظرف زمان اور ظرف مکان دونوں کا مفہوم لفظ میعاد میں موجود ہے۔ نمعلوم اس لفظ پر لفظ مدت کی اضافت کیا معنی رکھتی ہے۔

جواب۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یاس نے لفظ یوم المیعاد ملاحظہ نہیں فرمایا۔ ورنہ یہ نہ فرماتے میعاد کے معنی زمان وعدہ کے علاوہ محض وعدہ کے بھی ہیں یعنی مصدر اسم کے معنی میں بھی مستعمل

ر ہوتا ہے۔ لہٰذا یوم المیعاد کے معنے یوم وعدہ اور مدت میعاد کے معنی مدت وعدہ قرار پائینگے۔

گلے میں جس کے ہو طوق اور پاؤں میں زنجیر
دیارِ عشق میں ہے وہ ہی بندۂ آزاد

۷۔ اعتراض۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں۔ وہی ہے عشق کی دُنیا میں بندۂ آزاد۔ مگر اس سے شاعر کا عجز نہیں ثابت ہوتا بلکہ وہ لفظ "وہی" سے "وہ ہی" کو افصح جانتا ہے۔ اسمیں کسی کا کیا اجارہ

جواب۔ "وہ ہی" کا مخفف وہی ہے۔ یہ اہل زبان کا تصرف ہے۔ مگر جناب عزیز نے یہاں تصرف نہیں فرمایا۔ "وہ ہی" رہنے دیا تو اعتراض فضول ہے۔ اس میں شک نہیں کہ "وہ ہی" کو تمام فصحا نے علی العموم متروک قرار دیا ہے۔ مگر حضرت عزیز دوسروں کے متروکات کی پابندی کیوں کریں۔

وہ باب علم پہ باندھا گیا ہے بندھن وار
ہے شور شادی میلاد خاصہ ذو المن

۸۔ اعتراض۔ یہ قصیدہ امام حسنؑ کی شان میں ہے۔ حضرت کی ولادت کا ذکر کرتے ہوئے شاعر نے یہ بیت کہی ہے کہ میلاد کی خوشی میں باب علم پر بندھنوار باندھا گیا ہے۔ اگر یہی شعر کسی دہقانی زبان سے سنتے تو فرمایشی قہقہے لگاتے۔ عرب میں بندھنوار کا دستور کہاں۔ مگر یہ امر قابل اعتراض نہیں ہے کیونکہ شاعر اپنے شہر کی رسموں کے موافق زبان حال سے گل افشانی کر رہا ہے۔ مگر واضح ہو کہ ولادت کی تقریب میں لکھنؤ میں بندھنوار نہیں باندھا جاتا۔ لہٰذا یہ امر خلاف واقعیت ہے۔ بندھنوار شادی بیاہ یا ختنے کی تقریب میں بندھتا ہے۔ شاعر کو یہ لفظ نظم کرنا تھا بجا ہو یا بیجا۔ اس کی پروا نہیں۔

جواب۔ جناب یاس کی یہ گرفت بھی بڑی زبردست ہے۔ میں نے چند شرفائے لکھنؤ سے دریافت کیا تو معلوم ہوا۔ کہ شرفا کے ہاں ولادت کی تقریب میں بندھنوار نہیں باندھا جاتا۔

یعنی جب تک ہے بقین علم اعداد ہر پر پردۂ غیبت میں ہے اُس وقت تک جلوہ گری

۹ء اعتراض۔ یعنی کی "ی" تقطیع سے ساقط ہوتی ہے۔ یہ اعتراض جناب عزیز اور اُن حضرات کے نقطہ نظر سے ہے۔ جو سقوط "یا" کو غلط جانتے ہیں۔ مگر میں غلط نہیں جانتا۔ اس کی وجہ آگے بیان کرتا ہوں۔

جواب۔ اگر جناب عزیز نے اس کی پابندی اپنے اوپر فرض کرلی۔ کہ "ی" تقطیع سے ساقط نہ ہو تو بیشک غلط ہے۔ ورنہ جمہور اساتذہ اس کے پابند نہیں ہیں۔

۱۰ء اعتراض۔ دوسری غلطی اس مصرع میں بقین علم کی ترکیب اضافی ہے جس کے معنی سمجھ میں نہیں آتے یقین اور علم میں ایک لفظ حشو ضرور ٹھہرتا ہے۔ اور حشو بھی قبیح۔

جواب۔ جناب عزیز فرماتے ہیں۔ کہ یہاں حضرت یاس نے نقل قول میں غلطی کی یعنی قصائد عزیز میں "یقین ظلم اعدا" چھپا ہے اور حضرت یاس نے "یقین علم اعدا" نقل کرکے اعتراض فرمایا۔ نہ معلوم یہ تحریف ہے یا سہو القلم۔ میرے خیال میں یہ سہو القلم ہے۔ کیونکہ سوائے اس ایک جگہ کے اور مقامات پر حضرت یاس نے نقل قول میں غلطی نہیں کی ہے۔ لہٰذا یہ سہو القلم ہے۔ مگر "یقین ظلم اعدا" کو صحیح مان لیں تو حضرت یاس کی طرف سے ایک قوی تر اعتراض وارد ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر امام عصر کی غیبت کا سبب ظلم اعدا فرض کیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوئے۔ کہ دشمنوں کے ظلم کے ڈر سے حضرت ظہور نہیں فرماتے۔ حالانکہ یہ امر روایت کے خلاف ہے۔ امام عصر کو دشمنوں کا خوف کیوں ہونے لگا۔ نعوذ باللہ امام کی شان یہ نہیں کہ دشمنوں سے خائف ہو۔

۱۱ء اعتراض تیسری غلطی اس شعر میں یہ ہے کہ جب تک دشمنوں کے وجود کا یقین ہے اُس وقت تک حضرت منتظر عجل اللہ ظہور در پردہ غیبت میں ہیں۔ لیکن یہ غلط ہے۔ جب دشمن ہی نہ رہینگے۔ تو حضرت کس پر خروج فرمائینگے۔ ہاں مقررہ مومنین (یعنی چالیس) کے وجود کا جب یقین ہوگا اس وقت ظہور فرمائینگے۔

جواب۔ یہ اعتراض اُس حالت صحیح ہوسکتا ہے کہ "یقین ظلم اعدا" میں ظلم کی بجائے "علم" پڑھیں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ تو یہ اعتراض بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ ہاں ظلم کی "لفظ" پر جو دوسرا اعتراض

حضرت یاسؔ کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔ (یعنی ظلم اعدا سے خائف ہونا اور پردہ میں چھپا رہنا امام کی شان میں خلاف ہے) اُس کا جواب مشکل ہے۔

چنی ماتھے پرافشاں جلدی جلدی پردۂ شب میں
سویرے سے چلے سیر چراغاں دیکھنے والے

۱۲۷ اعتراض۔ اس کے قبل یعنی کی "ی" اور یہاں جلدی کی "ی" تقطیع سے ساقط ہوتی ہے۔ مَیں حروف علت کے گرانے کو غلط نہیں جانتا نہ میر و سودا۔ انیس۔ آتش وغیرہ نے اسکی پابندی کی۔ مگر ناسخ کی نسبت لکھنؤ میں مشہور ہے۔ کہ وہ "ی" نہیں گراتے۔ یہ خیال پایۂ تحقیق سے بالکل گرا ہوا ہے۔ جن لوگوں نے دیوان ناسخ سے بیسوں اشعار چھانٹے ہیں۔ جہاں "ی" تقطیع سے ساقط ہوتی ہے مثلاً ؎

(۱) دِل نہ آبادی میں لگتا ہے نہ ویرانے میں
(۲) خوف بدہضمی کا ناسخ نہیں غم کھانے میں
(۳) سرو ہے قمری نہیں دار ہے منصور نہیں
(۴) گو آزادی ہے زلفوں کے گرفتاروں کو
(۵) آدمی آدمی ہے اور ہے حیوان حیوان
(۶) قمری ہے تیرے گھر کے گرد اسے سرو

اساتذہ اُردو کا کلام دیکھتے ہوئے ایسے اصول کی پابندی میرے نزدیک نہایت لغو ہے۔ میں ہرگز اس اصول کا پابند نہیں ہاں احتیاط کرتا ہوں۔ مگر جناب عزیزؔ پر یہ اعتراض اُن کے نقطۂ نظر سے کیا گیا ہے۔ اُنہیں اپنے مقررہ اصول کے مطابق ایسی غلطی پر سر بگریباں ہونا چاہیے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ جناب عزیزؔ نے جلدی کو ہندی سمجھ لیا ہو۔ اگر میرا قیاس ٹھیک ہے۔ تو اور افسوس کی بات ہے۔ کیونکہ جلد عربی ہے۔ اور فارسی والوں نے تصرف کرکے جلدی بنا لیا۔ دیکھو بہارِ عجم۔ ممکن ہے جناب عزیزؔ یہ فرمائیں۔ کہ "جلدی جلدی" تکرار کے ساتھ فارسی میں مستعمل نہیں ہے،

لہذا مہمل ہے۔ اس لئے ی گر جائے تو عیب نہیں۔ میں عرض کرونگا۔ کہ پھر یعنی "کی" ی "کو کیونکر بچائیگا۔

بپھرے ہوئے شیروں سے کیا کوئی مقابل ہو
ہمت ہے بتاؤ تو کس افسر لشکر کی

۱۳ اعتراض۔ افسر بمعنی سردار فارسی میں مستعمل نہیں ہے۔ اس معنی میں لوگ اسے ہند جانتے ہیں۔ اور ہند کی عطف و اضافت کو بھی غلط سمجھتے ہیں۔ میں نہ لفظ افسر کو ہند جانتا ہوں۔ نہ ہند کی عطف و اضافت کو غلط جانتا ہوں۔ الفاظ ہند کی عطف و اضافت کے جواز پر میں ایک مستقل بحث رسالہ نظارہ میں کر چکا ہوں۔ میرے نزدیک افسر لشکر کی ترکیب اضافی صحیح ہے مگر جناب عزیز وغیرہ میرے اصول کے پابند نہیں۔ لہذا اُن کے اصول سے افسر لشکر کی اضافت غلط ٹھہری۔ جواب۔ اس اعتراض کا جواب جناب عزیز دینگے۔

اس شان سے افادہ احکام حق کئے ہیں
ہاتھوں پر اپنے روح اسلام کو لئے ہیں

۱۴ اعتراض۔ "احکام حق افادہ فرمود" کا ترجمہ ہے۔ مگر اردو میں "احکام حق افادہ کئے ہیں" بالکل لغو اور غیر فصیح ہے۔

جواب۔ جناب یاس سمجھے نہیں۔ یہاں احکام حق افادہ فرمود کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ اصل عبارت یوں ہے۔ "افادۂ احکام حق کئے ہیں" یعنی "افادۂ احکام" پر سے فک اضافت کیا ہے اور فک اضافت کلام اساتذہ میں دائر و سائر ہے۔ مگر اس صورت میں جناب یاس یہ اعتراض فرمائینگے۔ کہ افادہ تو واحد ہے۔ اس کی خبر "کئے ہیں" جمع کے صیغہ میں کھلتی ہے۔ لہذا غلط۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شاعر پر اتنی سختی کرنا فضول ہے۔

(باقیدار)

اشک کنتوری

~~~~~~~~~~~~
~~~~~~~~~~~~

لمعۂ امید

ہم نفس! تجھ سے نہ بن آیگا کچھ کام ابھی
تیرے سر میں ہے خمارِ غمِ ایام ابھی

دیکھ مستقبلِ ہستی کو - نہ رو ماضی کو
چھوڑ آغاز کو - درپیش ہے انجام ابھی

چھیڑ مت قافلہ و زاد و مسافت کا سوال
باندھ لے کعبۂ مقصود کا احرام ابھی

برقِ امید چمکتی ہے افق پر پیہم
یاس کے دم میں نہ آنا دلِ ناکام ابھی

دیر ہے شامِ قیامت میں۔ نہ ڈر اے مسلم!
چھپنے والا نہیں ہرگز خورِ اسلام ابھی

عہدِ ساقی میں اگر دیر ہے اندھیر نہیں
میکدے میں جمے بیٹھے ہیں خم آشام ابھی

ساقی بزم ازل نے جو پلائی تھی کبھی
پُر ہے اُس بادہ سے جام سحر و شام ابھی
اضطراب دل بیتاب ہے کچھ کچھ باقی
تپش اپنی نہیں منت کش آرام ابھی
عقل آغاز جہاں سے رہی صید حیرت
ایک معما ہے طلسم سحر و شام ابھی
بادۂ عشق سے اُٹھ جاتے ہیں آنکھوں سے حجاب
کہدو یاروں سے کہ گردش میں رہے جام ابھی
کار منصب کو تو ایکاش سنبھالے اب بھی
مغتنم ہے کہ ہے دفتر میں ترا نام ابھی
تُو کہ ہے سارے جہاں کیلئے پیک توحید
آہ! سمجھا نہیں تو خود بھی یہ پیغام ابھی!
کام ہو جائے تو خود اپنا عوض ہوتا ہے
خدمت قوم نہو تشنۂ انعام ابھی
کہنے اور کرنے میں ہے فرق جناب نیرنگ
وعظ فرما چکے۔ باقی ہے مگر کام ابھی

شریفہ وازان کی کہانی

اُسی کی زبانی

گذشتہ سے پیوستہ

تیسرا باب

میرا پہلا بچہ

اور

رسوم متعلقہ پیدائش

اُس زمانہ میں تنجیر کی سوسائٹی میں کوئی سامان دل لگی نہ تھا۔ اس لئے ہماری شام اکثر موسیقی کے شغل میں گذرتی تھی۔ شریف کو رباب سے بہت شغف تھا۔ اور بہت عمدہ بجاتے تھے۔ اُنھوں نے مجھے بہت سی مراکش اور ہسپانوی سریں سکھائیں۔ جو میں ان کے ساتھ ساتھ پیانو پر بجایا کرتی تھی۔ ان کی آواز بہت سریلی تھی۔ اور اگر موسیقی ان کا پیشہ ہوتا تو لاکھوں روپیہ کما سکتے۔

اتوار کے دن برطانوی سفارت خانہ میں انگریزی کلیسیا کی رسوم کے مطابق نماز پڑھی جاتی تھی۔ ہال میں کرسیاں بچھادی جاتی تھیں۔ اور گیلری میں ہارمونیم رکھ دیا جاتا تھا جو آرگن کا کام دیتا تھا۔ شریف بھی میرے ساتھ جایا کرتے تھے۔ اور جب تک میں نماز سے فارغ نہ ہو جاؤں وہ گیلری میں بیٹھے رہتے تھے۔

میری شادی کو ابھی ایک مہینہ نہیں ہوا تھا کہ شریف نے ذکر کیا کہ ہمیں کچھ عرصہ کے لئے فرانسیسی سفارت خانہ میں قیام کرنا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شریف کو بعض خطوں سے جر

انہیں وصول ہوئے معلوم ہوا کہ سلطان مراکش سیدی محمد بن عبدالرحمان نے ہماری شادی کو بہت ناپسند کیا ہے۔ اور ممانعت پر آمادہ ہیں۔ چار پانچ روز تک ہم سفارت خانہ میں ٹھہرے رہے سلطان اور شریف کے تعلقات کچھ عرصہ سے کشیدہ چلے آتے تھے۔ اور شریف کو مختلف ذرائع سے تکلیف پہنچانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ سلطان یہ چاہتے تھے کہ شریف مستقل درباری بنجائیں جیسے ان کے والد موجودہ سلطان کے پردادا سیدی عبدالرحمٰن کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ اور سفر میں بھی ان کے رفیق ہوتے تھے۔ قبائل میں شرفائے وازان کا رعب و اثر بہت تھا۔ اس لئے شریف اعظم کی موجودگی کی وجہ سے سلطان اور ان کی فوج کو سفر میں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوا کرتی تھی۔ اور نہ کوئی مزاحمت پیش آتی تھی۔ برخلاف اس کے شریف کا ارادہ یورپ میں رہائش اختیار کرنے کا تھا۔ اور اسی لئے اُنھوں نے یورپین بی بی سے شادی کرنے کا بھی تہیہ کر لیا تھا۔ اپنے والد کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک تو شریف بھی ویسے ہی سلطان کی خدمت میں لگے رہے۔ لیکن بعد میں انہیں معلوم ہوا۔ کہ ان کا یورپین خیالات کی طرف مائل ہونا سلطنت کی حفاظت اور بہبودی کے لئے خطرناک سمجھا جاتا ہے۔ اور سلطان کا ارادہ ہے۔ کہ انہیں نظر بند کر دیا جائے۔ چنانچہ آخری دفعہ جب یہ دربار میں گئے تو کئی ماہ تک انہیں خلاف مرضی دربار میں حاضر رہنا پڑا۔ سلطان کے ارادہ کی اطلاع پانے پر یہ بلا اجازت دربار سے چلے آئے۔ چند ارکین دربار ان کے پیچھے بھیجے گئے۔ تاکہ ان کی ناراضگی کا سبب دریافت کریں اور گرانقدر تحائف زر و جاگیر کا وعدہ دیکر انہیں واپس لے جائیں۔ مگر شریف نے ناسازی صحت کا عذر کر کے ٹال دیا۔ اور خود وازان چلے گئے۔ ان کے بڑے بیٹے مولائی العربی ان کی جگہ دربار میں حاضر ہوئے۔ اور انجام کار ان کی جگہ مستقل طور پر ان کے بھتیجے سیدی محمد بن مکی مقرر کئے گئے۔ اس طرح اگرچہ ظاہرا تعلقات میں اصلاح ہو گئی۔ لیکن دلوں کی کدورت دور نہ ہوئی اور آج تک فیلالی شرفا کے حکمران خاندان اور شرفائے وازان کے باہمی تعلقات کسی مخلصانہ بنا پر قائم نہیں ہو سکے۔ بہر حال اس ظاہری صلح کے بعد شریف کو ہجرت یورپ کی ممانعت نہ رہی

اس امر کے طے ہونے سے میری والدہ کو بہت صدمہ ہوا۔ کیونکہ وہ صرف اس غرض سے میرے پاس ٹھہری ہوئی تھیں۔ کہ میرے ساتھ یورپ جا کر میرے نئے گھر کی ترتیب اور سجاوٹ میں میرا ہاتھ بٹائیں۔ ذاتی طور پر مجھے اس فیصلہ سے کسی قسم کی مایوسی نہیں ہوئی۔ میرے شوہر کو میرے ساتھ اس درجہ محبت تھی۔ کہ وہ میری تمام خواہشات کو بجا لاتے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا اُس زمین کی بھی پرستش کرتے ہیں جس پر میں قدم رکھتی ہوں۔ مجھے بھی اپنے حسین شریک حیات کے ساتھ عشق تھا اور ان کی رفاقت میں ایک نہایت پُرلطف زندگی کا منظر میرے سامنے تھا۔ اس لئے قیام رہائش کا انتخاب مقابلہ میں ایک ادنےٰ امر معلوم ہوتا تھا۔

تنجیر کی یورپین سوسائٹی میں اب یہ سوال پیش تھا کہ میرے ساتھ راہ و رسم جاری کیا جائے یا نہ۔ کئی لوگ رُکے رہے۔ لیکن سر جان ڈرمنڈ ہے اور ان کے خاندان کے لوگ اگرچہ شادی کے موقعہ پر بالکل اجنبی تھے۔ پھر بھی میرے نہایت مخلص دوست ثابت ہوئے ایک اور خاتون نے جن کا اسم گرامی مسز بلوٹ تھا۔ یورپین سوسائٹی میں میرا درجہ قائم رکھنے میں میری بہت مدد کی۔ اور مجھے ممنون کیا۔ شادی کی رسم ادا ہو جانے کے بعد وہ ہوٹل میں تشریف لائیں اور خود ہی اپنا تعارف کرایا۔ چونکہ تنجیر میں میری کسی سے شناسائی نہ تھی۔ اس لئے میں نے اس غیر متوقع مہربانی کو اور بھی زیادہ محسوس کیا۔ جاتی دفعہ میرے ساتھ وعدہ کرتی گئیں کہ ہمیشہ اپنی صلاح مشورہ اور مدد کے ساتھ ممنون فرماتی رہینگی۔ اور جب تک وہ تنجیر میں رہیں اس وعدہ کا نہایت احسن طریق سے ایفا کرتی رہیں۔ تادم تحریر میں اپنی اور سر ڈرمنڈ ہے کی پسماندہ صاحبزادی کو اپنے عزیز ترین دوستوں میں شمار کرتی ہوں۔ شادی کے بعد سر جان ہے ڈرمنڈ ہے کی صاحبزادیوں کے ساتھ میری میل ملاقات شروع ہو گئی۔ اور مرور ایام کے ساتھ یہ رشتہ مستحکم ہوتا چلا گیا۔ ان کی خاتون کی صحت کمزور رہا کرتی تھی۔ اس لئے اول اول اُن کیساتھ زیادہ بے تکلفی نہ ہو سکی۔ لیکن اپنی عمر کے آخری پندرہ سال میں وہ اور ان کی صاحبزادیاں میری

نہایت مخلص اور ثابت قدم دوست رہیں۔

جب تنجیر ہی میرا مستقل وطن قرار پایا۔ تو میں نے اپنے گھر کو ترتیب دینا شروع کیا میرا کامل تصرف تو صرف اپنے خاص استعمال کے کمروں پر ہی تھا۔ کیونکہ باقی مکان خادموں اور پناہ گزینوں کے سپرد تھا۔ اور وہاں کسی قسم کی ترتیب یا انتظام کا دخل نہیں تھا۔ لیکن وہاں بھی میں نے پہلے کی نسبت کچھ باقاعدگی جاری کی۔ یہ کام بہت مشکل تھا۔ اور بہت عرصہ اس میں صرف ہوا۔ میرا روزانہ ٹھنڈے پانی کا غسل موجب حیرت ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ مراکش گھروں میں ہمیشہ گرم پانی استعمال ہوتا ہے۔ شریف کی طبیعت چونکہ ظرافت پسند تھی۔ اس لئے وہ اکثر کہا کرتے تھے "مجھے علم نہیں تھا کہ میں بجائے عورت کے مچھلی بیاہ لایا ہوں"۔

جوں جوں وقت گذرتا گیا۔ ننھے کے استقبال کی تیاری کی فکر شروع ہوئی۔ میں خود سینے پرونے میں مشاق تھی۔ اس لئے میں نے تمام ضروری اشیا، خود ہی تیار کیں۔ میرا یہ مشغلہ باقی گھر والوں کے لئے بہت دل لگی کا باعث تھا۔ مراکش لوگ ننھے کے آنے کی صرف اتنی تیاری کرتے ہیں کہ زچہ کے کمرے میں نئے پردے لٹکا دیئے جاتے ہیں۔ تاکہ بچہ پیدا ہونے کے دوسرے دن جب دوست اور رشتہ دار زچہ کو مبارکباد دینے کے لئے آئیں۔ اُسے تاباں و درخشاں پائیں۔ ایسے موقعہ پر زچہ کی کوئی سہیلی یا نزدیک کی رشتہ دار خاتون مہمانوں کا استقبال کرتی ہیں۔ اور چاے اور کیک کے ساتھ ان کی تواضع کی جاتی ہے۔ پیدا ہوتے ہی بچے کی آنکھوں میں اور ابروؤں پر سرمہ لگایا جاتا ہے۔ اور حنا اور تیل کے مرکب کے ساتھ اس کے بدن کی مالش کی جاتی ہے۔ پھر ایک کپڑے میں اُس کو لپیٹ دیا جاتا ہے۔ اور اُس کے اُوپر ایک اُونی کپڑے کو لپیٹا جاتا ہے۔ ایک رومال سر پر باندھا جاتا ہے۔ اور اُس کے گرد ایک پٹی کس دی جاتی ہے۔ تاکہ رومال سر سے اُترنے نہ پائے۔ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ سر پر رومال کس کر باندھ دینے سے بچے کا دماغ اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے۔ اور ہلنے نہیں پاتا۔ پہلی دفعہ جب میں نے ایک مراکش بچہ کو اس لباس میں دیکھا۔ تو مجھے بہت ترس آیا۔ اور میری خواہش ہوئی کہ اُسے اس قید سے نکال کر ایسے کپڑے پہناؤں

جائے کہ ننھے سے جسم کو آرام میں رکھیں لیکن اُس وقت ایسا مشورہ دینا بھی ابھی قبل از وقت تھا۔ باوجود ایسے انتظامات کے ماں اور بچہ دونوں کی صحت پر کوئی قبیح اثر نہیں پڑتا۔ اور میں نے کئی مراکش عورتوں کو ہفتہ کے اندر اندر اپنے امور خانہ داری میں مصروف رکھا ہے۔

میری والدہ مئی سنہ ۱۸۷۷ء میں میرے پاس پہنچ گئیں اور ۶ جون کو میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اس تقریب سعید پر بے انتہا خوشی کا اظہار کیا گیا۔ اور تین مہینہ تک نقد و جنس کی نذروں کا سلسلہ متواتر جاری رہا۔ شریف نے مجھ سے خواہش کی کہ بچے کا نام میں ہی انتخاب کروں۔ چھ ماہ پیشتر ان کے پہلے پوتے کا نام میں نے مولائے علی رکھا تھا۔ اور یہ نام مجھے ایسا بھلا معلوم ہوتا تھا کہ اپنے بچے کا بھی میں نے یہی نام رکھا۔ مولائے علی کی پیدائش کے موقعہ پر کئی من بارود چاند ماری میں صرف ہوا۔ صبح سے شام تک بینگ! بینگ! کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ اور ڈوم ڈومنیاں تو کسی وقت دم نہ لیتی تھیں۔

خاندان شرفا کے ایک بزرگ سیدی محمد کو ننھے شریف کی تربیت کی بہت فکر رہتی تھی چنانچہ ان کی پہلی تجویز تو یہ تھی۔ کہ پیدا ہوتے ہی بچہ کو وازان بھیج دیا جائے۔ اور اگر یہ نہ ہو سکے۔ تو کوئی مراکش انا مقرر کی جائے۔ سیدی محمد کی تمام تجاویز شریف مجھے بتا دیا کرتے تھے۔ آخر ان سے بھی صبر نہ ہو سکا۔ اور انہوں نے صاف طور پر کہدیا کہ آپ اپنے کام سے مطلب رکھیں۔ بچے کی ماں موجود ہے وہ جیسے مناسب سمجھیگی عمل کریگی۔ اس واقعہ نے دو گہرے دوستوں کے درمیان کشیدگی پیدا کر دی۔ اگرچہ بظاہر تعلقات میں کوئی بین فرق نہ آیا۔

(باقی آیندہ)

معاصرین کی خاموشی

غالباً پندرہ سال کے بعد مخزن اظہار رائے کی غرض سے معاصرین کی خدمت میں ارسال کیا گیا تھا لیکن سوائے چند حضرات کے اکثر معاصرین نے توجہ ہی نہیں فرمائی۔ حالانکہ صفحات مخزن ان کے اشتہاروں اور تقریظوں کیلئے ہمیشہ وقف رہتے ہیں۔ ہم اپنے خاموش معاصرین کی توجہ کو پھر بیدار کرنا چاہتے ہیں۔

منیجر

خوابِ ہستی

(جناب خلیفہ عبدالحکیم صاحب ایم۔ اے)

خواب میں ایک مرتبہ دیکھا — مَیں نے پایا ہے گوہرِ مقصود
مجھ کو پورا مگر یقیں نہ ہوا — اور کہنے لگا دلِ مسعود
خواب تو دیکھتا نہیں تو کیا — واہمہ کی کہیں یہ ہو نہ نمود
کیا محسوس یہ حقیقت ہے — نہیں موہوم شے جو ہے موجود
مَیں نے اسکو یقین مان لیا — اور سمجھا اسے حقیقی سود
پر کھلی آنکھ جب تو کیا دیکھا — صورتِ نقش آب سب مفقود
اِس پہ فوراً مجھے خیال ہوا — یہ زمین و زماں یہ ہست و بود
زندگی میں سمجھ رہا ہوں جسے — ہو کہیں وہم کا نہ تار و پود
یہ کہیں ہو نہ صورت نابہ — جس طرح ہے یقینِ اہلِ ہنود
سب سراب دماغ ہوں نہ کہیں — قصۂ عاد و داستانِ ثمود
سیمیا کا نہ ہو کہیں چکر — گردشِ اخترانِ چرخِ کبود
نقش پا جادۂ خیال میں ہوں — دینِ مسلم رہِ مغان و یہود
کہیں وہمی نہ ہو مری طاعت — غیرِ اصلی نہ ہو میرا مسجود
ہوں کہیں سر بسر نہ بے بنیاد — نغمۂ نے نوائے چنگ و عود
قدرت اور اسکے رازِ سربستہ — اس کے قانون اور اسکی قیود
کوریٔ کفر و تیرگیٔ گناہ — درجۂ کشف اور مقامِ شہود
فرِّ کے اور شکوہِ اسکندر — اور ہمت فروش طے کی جود
یدِ بیضا و جذبۂ ازلی — کفرِ فرعون تمرّدِ نمرود
سب حقیقت کا اک حباب نہ ہوں — اور ہمرنگ نقشِ خواب نہ ہوں

آفتابِ دمشق

گذشتہ سے پیوستہ

وردان۔ پھر لغو پوچ جو درخواست ابتک التجا کی صورت میں تھی وہ اب حکم کا لباس پہنتی ہے۔ جس کی تعمیل ہرقل پر فرض ہے۔ اس کا مقدم کام یہ ہے۔ کہ وہ سلمونیہ کو میرے محل میں حاضر کرے۔ ورنہ میں مسلمانوں سے پہلے شام اور دمشق کی اینٹ سے اینٹ بجادونگا۔ اور اس تلوار کے زور سے اپنی محبوبہ کو قسطنطنیہ میں داخل کرونگا۔

وردان اور کیلوث دونو کے تیور بگڑ گئے۔ اور اُن کے ساتھ دونو کے دو فریق لڑائی پر تیار ہوئے اگر اس وقت وزیر جنگ فراست سے کام نہ لیتا۔ تو یقیناً سینکڑوں بندگانِ خدا کی جانیں خوانخواہ ضائع ہو جاتیں۔ اس نے کیلوث کا ہاتھ پکڑا۔ اور کمرہ خاص میں لیجا کر ہرقل کے سامنے یہ معاہدہ کیا کہ اگر تم اسوقت وردان کو تھپک دو تو لڑائی کے بعد اس کو قتل کرادینا میرا کام ہے۔

وزیر کا معاہدہ بادشاہ کی شہادت اب اس کے سوا چارہ نہ تھا۔ کہ کیلوث خاموش ہوگیا۔ اور وردان کو کامیابی کا یقین دلا کر فوج مسلمانوں کے واسطے تیار ہوئی۔

(۷)

آدھی رات کا سنسان وقت تھا۔ قصر فلورا کے پائیں باغ میں ایک نہر کے کنارے شہزادی سلمونیہ خاموش بیٹھی تھی۔ سایہ ماہ سطح آب کے بوسے لے رہا تھا۔ اور ہوا پانی کے جھکولے دے دیکر لہریں بنا رہی تھی۔ پھول جھک جھک کر پانی کی گود میں گرتے تھے۔ اور اُٹھتے تھے۔ انجیر کا ایک تناور درخت سرپہ تھا۔ جس کے پتے آب رواں کی اور جس کا سایہ رُخ روشن کی بلائیں لے رہا تھا۔ یہ سب کچھ تھا مگر وہ اپنے خیال میں منہمک تھی۔ اور اس درجہ کہ مطلق کسی چیز کا ہوش نہ تھا ہوا اس کے چہرہ پر جھومی پھول اس کی گود میں لوٹے۔ لیکن اس کے تخیل میں فرق نہ آیا۔ رات کا بڑا

حصہ اسی طرح بسر ہوا۔ اور وہ دفعتہً گھبرا کر اٹھی آسمان کی طرف دیکھا چاند چمک رہا تھا تارے کھل رہے تھے ہوا چل رہی تھی۔ درخت جھوم رہے تھے۔ ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور کہنے لگی۔

کس قیامت کی رات ہے کہ کسی طرح ختم نہیں ہوتی۔

مَیں کس مصیبت میں پھنسی یہ میری کیفیت کیا ہوگئی۔ ایک آگ ہے جو سر سے پاؤں تک جلسا رہی ہے۔ ایک نشتر ہے جو کلیجہ میں چُبھ رہا ہے۔ بھوک ختم ہوئی پیاس جاتی رہی نیند اڑگئی ظالم ڈاکو تھا کہ ایک نگاہ میں بربا گیا چور تھا کہ چپ چپاتے دل لیکر چلتا ہوا۔ کیا کروں کدھر جاؤں کہاں بیٹھوں کس سے کہوں۔ اور کیا کہوں میری حالت سے میری صورت سے میری کیفیت سے سب کچھ ظاہر ہے ہو رہا ہے ہوگا۔ کب تک چھپاؤں۔ اور یہ کس کس سے یہ عشق ہے۔ اس کی خوشبو مشک سے محبّت ہے۔ اس کا حال آفت سے تیز اور زیادہ۔ ہائے صبح نہیں ہوتی۔

چاند چمک کر سطح آسمان پر او چاندنی تڑپ تڑپ کر سلمونیہ کے قدموں میں لوٹ رہی تھی۔ درخت کے پتے گنے پانی کی لہریں دیکھیں آسمان کے تارے گھورے زمین کی گھاس دیکھی۔ اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا نیچے دیکھا اوپر دیکھا چلی پھری ٹہلی ٹہٹکی مگر رات کی عمر طویل کسی طرح پوری نہ ہوئی۔ خاموش ہو کر اندر گئی کرسی پر بیٹھی مسہری میں لیٹی پھر اُٹھی اندھیرے میں پہنچی اُجالے میں آئی۔ اور پھر پائیں باغ میں۔

ہاں صبح قریب ہے مگر کون کہتا ہے نہیں مَیں کہتی ہوں صبح قریب ہے۔ چاند مجھ کو ترسائے۔ تارے مجھ کو تڑپائیں۔ مگر صبح قریب ہے ہوا کے جھوکے خبر دے رہے ہیں۔ کہ ملکۂ آفتاب صبح صادق قریب ہے۔ ہے ضرور ہے۔ تارے کیسے ہی گنجان ہوں۔ مگر جھلملا رہے ہیں۔

درخت سے کسی پرندے نے وداع شب کا پیام پہنچایا بیتاب ہوگئی دروازہ کھولا باہر آئی۔ سڑک صاف تھی "اسی وقت کا وعدہ تھا" کیا ابھی صبح نہیں ہوئی۔ ظالم۔ دغا باز۔ مکار۔ فریبی۔ گھوڑے کی ٹاپ کی آواز کان میں آئی۔ "آ آجا۔ آ"

اب وہ اضطراب اور بیتابی کچھ نہ تھا۔ دروازہ کھلا رکھا روش پر آئی اور پھولوں کی بہاریں

مصروف ہوگئی۔ پیچھے سے قدموں کی آواز آئی۔ کون؟

مَیں اس صورت کا دیوانہ ان نگاہوں کا گھائل۔

سلمونیہ ہاں ......

شہزادی نہ معلوم یہ کہکر کس خیال میں غرق ہوگئی۔ سوار اس کے قریب آیا اور کہا مجھے تقدیر نے اپنی عنایت سے یہ چند لمحے ایسے دیدئے کہ مَیں اس صورت کی زیارت کرسکوں۔ یہ وقت خاموشی کا نہیں ہے پو پھٹ گئی اجالا ہوگیا۔ آفتاب میرے سر پر کوہ ربوال کی چوٹیوں پر چمکیگا مَیں زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔ اجازت دو کہ رخصت ہوں۔

سلمونیہ اچھا۔

رات جس دھیمی رفتار سے گھٹ گھٹ کر ختم ہوئی آفتاب کی روشنی اسی سرعت سے لحظہ بلحظہ تیز ہورہی تھی۔ سوار آگے بڑھا اور شہزادی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ غور سے دیکھا اور کہا دیکھئے یہ ہاتھ کیا دکھاتا ہے۔

اتنا کہا اور چلا سلمونیہ بالکل خاموش تھی۔ جب سوار دروازہ کی طرف چلا تو چند قدم خراماں خراماں چلی اور جب وہ باہر نکل گیا تو تیز ہوئی دروازہ بند کرلیا۔ اور کھڑکی کھول دیکھتی رہی۔ سوار اوجھل ہوگیا۔ مگر اس کی نگاہ نہ پلٹی۔ اسی طرح حیران و پریشان گم سم بیٹھی تھی کہ فوج کا ایک دستہ سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ دیکھتی کیا ہے کہ سوار گرفتار ہے اور کیلوث آگے آگے ہشاش بشاش چلا آرہا ہے۔

فوج۔ کیلوث قیدی سب محل کے قریب پہنچے۔ ایک آواز نکلی۔ اس نمکحرام کے واسطے کیا حکم ہے۔

کیلوث سردست چاہ انطاکیہ میں ڈالدو اس کے بعد فیصلہ ہوگا۔

(۸)

طلیطلہ اور اس کے گلی کوچوں میں یہ خبر بچہ بچہ کی زبان پر ہے کہ امیر المومنین کے پیام کو بڑ شوق

تھی۔ ہرقل نے حقارت سے جھڑک دیا۔ کیلوث نے مضحکہ اُڑایا۔ فلورا اور سلونیہ مسکرائیں۔ اور وروان نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔ نماز مغرب کے بعد جب حرم کے معصوم طائر رات کی خاموشی میں اطمینان سے بیٹھتے تھے۔ فاروق اعظم کی یہ صدا اس زور سے بلند ہوئی۔ کہ مسجد نبوی میں تھلکہ مچ گیا۔

مسلمانو یہ آزمائش کا وقت ہے۔ اور امتحان کا موقعہ قیصر کا جواب تم سُن چکے۔ کیلوث کا مضحکہ تمہیں معلوم ہوگیا۔ وروان کا نشہ تمہارے کانوں تک پہنچ گیا۔ بے وقعتی قاصد کی نہیں تمہاری تمہاری نہیں امیرالمومنین کی۔ اور امیرالمومنین کی نہیں اسلام کی ہوئی۔ کھڑے ہوجاؤ۔ اور دشمن کو دکھا دو کہ حقانیت کے سامنے طاقت اور صداقت کے روبرو ہمت کوئی وقعت نہیں رکھتی مسلمان اپنے پاک مذہب پر اپنی پیاری جانیں کس طرح قربان کر دیتے ہیں۔

موت حیات انسانی کا نتیجہ لازمی ہے۔ لیکن خوشا نصیب اس زندگی کے جس کی موت راہ حق میں ہو۔ تمہاری موت موت نہیں حیات ابدی ہوگی۔ دُنیائے اسلام تمہارے ناموں پر فخر اور تمہارے کارناموں پہ ناز کریگی۔ اور تم وہ کام چھوڑ جاؤگے جس پر مسلمان ہمیشہ ناز کرینگے۔ ہم کو یقین ہے اور یقین رکھنا چاہئے کہ سرزمین شام میں صدائے تکبیر گونجے گی۔ خدائے برتر و برحق ان الفاظ کو پُورا کریگا۔ اور پُورا کر دکھائیگا جو اس کے حبیب کی پاک زبان سے نکلے۔

فاروق اعظم کی تقریر یہیں تک پہنچی تھی کہ مسلمان جوش سے بیتاب ہوگئے۔ اور بالاتفاق جواب دیا ہم انشاءاللہ فتح شام کے بعد اب گھر کی صورت دیکھینگے۔ رات بھر میں یہ خبر دُور دُور مشہور ہوگئی۔ اور نماز فجر کے بعد مسجد نبوی اور میدان طیبہ مسلمانوں سے پٹا پڑا تھا۔ کامل تین دن اور متواتر تین رات مسلمان جمع ہوئے۔ اور چوتھے روز خلیفۃ المسلمین سے عرض کیا۔ امیرالمومنین اب ملاحظہ فرمائیے کہ یہاں ہمارے اور ہمارے گھوڑوں کے واسطے سامان خوراک میسر نہیں آسکتا اجازت دیجئے کہ راہ خدا میں آگے بڑھیں۔ حضرت صدیق اس وقت پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ اور دیکھا کہ میدان مسلمانوں سے پٹا پڑا ہے۔ آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھائے۔ شکر کیا اور اسلام کا ابتدائی وقت

یاد کیا کہ جس وقت سردار دو عالم نے ہجرت کا قصد فرمایا ہے۔ اور یہاں تشریف لائے ہیں اس وقت گنتی کے چند آدمیوں کے سوا کوئی ساتھ نہ تھا۔ آج خدا نے اسلام کو یہ ترقی دی کہ رسول اکرم کے بعد خلیفۂ اول کے وقت میں خدا کی راہ پر اتنے آدمی جانیں قربان کرنے کو موجود ہیں۔ یہ چمکتے ہتھیار کثیر تعداد اور باقاعدہ فوج حق یہ ہے کہ خدا ہی نے اپنے دین کو مدد دی جس علم کے نیچے کسی وقت دو چار صورتوں سے زیادہ نہ دکھائی دیتی تھیں۔ اس وقت اس کے فدائی ہزاروں ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی حضرت صدیق سجدہ میں گرے روئے گڑگڑائے اور عرض کیا کہ الہ العالمین یہ فدائیوں کا لشکر محض تیرے سچے دین کی اشاعت کو گھر سے باہر نکلتا ہے۔ یہ تیرے اس پاک بندے اور نیک محبوب کے نام لیوا ہیں جس کی مقدس روح تیرے حضور میں موجود ہے۔ دشمن سخت فوج کثیر ملک وسیع فتح کے آثار صرف تیری محبت اور تیرے رسول کا ارشاد ہے۔ معبود حقیقی ہمارے ارادوں میں برکت ہمارے بازوؤں میں طاقت اور ہمارے دلوں میں ہمت دے۔ کہ کامیاب ہوں اور تیرے نام کی روشنی شام میں پھیلائیں۔ شام ان غریبوں کا پردیس ہے یہ رستوں سے ناواقف منزل سے ناآشنا اور چالاکیوں سے کوسوں دور ہیں۔ اپنی قدرت سے اپنی عنایت سے ان کے حال پر رحم کر۔ اور ہماری التجا سن۔ الہ العالمین سفر کی زحمت ان کے واسطے جنت اور لڑائی کی مصیبت ان کے لئے رحمت ہو۔ ان کو توفیق دے کہ یہ تیرے رسول کا نام روشن کریں۔ اور تیرے پاک نام سے وہ در و دیوار جو شرک سے اٹ رہے ہیں جگمگا دیں۔

دعا کے بعد امیر المومنین نے سر اٹھایا تو ڈاڑھی اور چہرہ آنسوؤں سے تر تھا مسلمانوں نے دیکھا اور ایک پُرجوش نعرہ مار کر کہا۔ "نصر من اللہ و فتح قریب"۔ اب لوگ آگے بڑھے اور پھر عرض کیا۔ امیر المومنین دل بیتاب ہیں۔ اب کس چیز کا انتظار ہے۔ رخصت کیجئے۔ اسوقت صدیق اکبر نے یزید بن ابوصفیان کو ان کا سردار مقرر کیا اور کہا اچھا بھائیو بسم اللہ کرو اونٹوں پر اسباب لدنے شروع ہوئے۔ اور الا اللہ کہکر لشکر اسلام نے کوچ کیا۔ (باقی دارد)

راشد الخیری

کیفِ بہار

(جناب خلیفہ عبدالحکیم صاحب ایم اے)

بادل سیاہ فام اُٹھا جھومتا ہُوا
مستی میں کوہسار کا مُنہ چومتا ہُوا

گلزار و کوہ و دشت میں گوہر بکھیرتا
یا آسماں سے توڑ کر اختر بکھیرتا

موسٰے کی طرح سنگ سے چشمے بہا دیئے
اور نور برف سے یدِ بیضا دکھا دیئے

جلوہ ہے اس میں زلف پریشان حور کا
اِک میکدہ اُڑا ہے شراب طہور کا

یہ ابر برق حسن ازل کی نقاب ہے
جس حسن سے فروغ مہ و آفتاب کا

ہے آب خضر ابر کی ظلمات میں چھپا
پیاسی زمیں کو آکے جو اس نے پلا دیا

پہنی ہے باغ و راغ نے بھی خضر کی قبا
جس سمت دیکھتا ہوں ہے منظر ہرا ہرا

ہستی کے ذرہ ذرہ پہ اس نے پڑھا فسو
ہر پیرہن کی سمت بڑھا پنجۂ جنوں

سایہ ہے اس کا سایۂ بالِ ہما ہُوا
تختِ چمن پہ پھول ہے رونق فزا ہُوا

جود و سخا سے ابر کی گوہر بکف ہیں پھول
ہے قلزمِ بہارِ چمن اور صدف ہیں پھول

یکساں برس رہا ہے کریمی کی شان دیکھ
ظلِ کفِ عطائے خدائے جہان دیکھ

ہے وسعتِ فضا میں ہر اک سمت چھا گیا
اُٹھ کر زمیں سے بحر فلک پر ہے اُڑ رہا

اس عالمِ بہار میں آیا خیالِ دوست
صورت پذیر ہو گیا شوقِ جمالِ دوست

پھٹ کر سیاہ ابر میں روزن سا بن گیا
منظر یہ چرخ پر مہِ روشن سا بن گیا

اک شکل دلفریب نمودار ہو گئی — کم کم ہنسی تھی برق پہ بجلی گرا رہی

تصویر تھی لگی ہوئی دیوار ابر پر — یا کوہِ نور دستِ گہر بار ابر پر

دلکش تھا چہرہ یا کسی حورِ بہشت کا — نظارہ کر رہی ہو جو گلزار و کِشت کا

پردے میں نور کے تھا رُخِ جانفزائے یار — جوں برگ گل ہلا لبِ نغمہ سرائے یار

گیتی کا شور زمزمۂ راز ہو گیا — سر تا بسر جہان بہ اک ساز ہو گیا

تاروں نے ساتھ ناچنا اغاز کر دیا — کروبیوں کو گوش بر آواز کر دیا

قدسی بھی ساتھ ہو گئے رقص و سرود میں — نغمے نکالنے لگیں حوریں بھی عود میں

شاخوں پہ ارفیوس کی تانیں بھلی بھلی — گائی چمن میں خوب چٹک کر کلی کلی

گل کو نسیم نغمہ سُناتی ہوئی چلی — نکہت گلوں سے نکلی تو گاتی ہوئی چلی

آبِ رواں میں بجتے تھے موجوں کے تار بھی — شاخیں جو ارغنوں تھیں تو مطرب ہزار بھی

باراں کے تار نغمہ سے بھرپور ہو گئے — چشموں میں تھا وہ راگ کہ طنبور ہو گئے

مَیں بادۂ سرود کا میخانہ بن گیا — ہر ذرّہ میری خاک کا پیمانہ بن گیا

نکلے مرے لبوں سے بھی بے اختیار راگ — اس کیفیّت میں رُوح نے گائے ہزار راگ

اس عالم سرور میں بے ہوش ہو گیا — اور رفتہ رفتہ ہاتھ پہ سر رکھ کے سو گیا

کھولی جو آنکھ مَیں نے تو دیکھا سماں تھا اور — سطحِ زمیں تھی اور رُخِ آسماں تھا اور

ابتک ہے آ رہی وہ صدا تا بگوش دل — بھولا نہیں ہے مجھ کو وہ مستانہ جوشِ دل

نغمۂ جو

تپشِ آفتاب کے حسن کی منوّر شعاعیں برف کے بارد اور سفید سینے پر مچلتی ہوئی پڑیں
تخ کی ساکن اور منجمد تہوں میں ایک جنبش پیدا ہوئی۔ کرنوں نے اور بھی چھیڑا۔ اور لو۔ سرد چمکدار
برفوں کی بے شمار آنکھوں سے پانیوں کے ننھے ننھے چشمے بہ نکلے۔ اوپر کے پتھروں نے
خنک پانی کی ان پتلی پتلی دھاروں کو اشتیاق کی گودوں میں اُٹھا کر نچلے پتھروں کے آغوشِ شوق
میں ڈالدیا۔ جنہوں نے اس ودیعت کو خلوص کے ہاتھوں سے اپنے دوسرے ہمجنسوں کے
حوالے کر دیا۔ روانی کے مضراب نے اپنی لرزشوں کو حکم دیا۔ اور بل کھا کھا کر بہنے والی ندیاں
دھیمے سروں میں گنگنانے لگیں۔ چٹانوں نے فرطِ طرب سے اپنے بازو کھول دیئے۔ وادیوں نے
شوق کے وسیع آغوش کو وا کر دیا کہ اُن نغموں کو جنہیں چٹانوں کی پستیوں نے فراخ سطح پر بکھیر دیا تھا۔
ایک محدود رقبہ میں اکٹھا کرلیں۔ متحرک نغموں کی بے شمار لہریں اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی مسکراتی ہنستی۔
مختلف سمتوں سے آئیں۔ اور اپنے آپ کو وادی کی قدرتی سبز چادروں پر ڈال دیا۔ خودرو پھول
ہنسے۔ شبنم روئی۔ سبزہ لہلہایا۔ اور صحیفۂ قدرت کی جاندار تصویر اپنی دُھن میں مست۔ وادی کی
زمینوں سے خراجِ اعماق وصول کرتی ہوئی آگے بڑھی۔ تہ پر کے سنگریزوں سے ہم کنار ہوتی ہوئی
اردگرد کی اونچی چٹانوں کو کُل من علیہا فان کے درد انگیز نغمے سُناتی ہوئی میدان میں داخل ہوئی
پرندے جنہیں پتھروں کی بلندیاں اپنی بارد طبیعتوں کے سبب قبول نہیں کرتیں۔ شوق کے پروں
سے اُڑ کر آئے۔ کہ پہاڑوں کی اس سفید پری کی پیشانیوں کو چومیں۔ ساحل کی خاموشیوں نے
حرکت کرنے والے راگوں کو سُنا۔ اور ساکت ہوگئی۔ حُبابِ تاثیرِ نغمہ کی جوش انگیز کیفیتوں کو سینوں
میں لئے ہوئے اُبھرے۔ اور وفورِ اشتیاق سے موسیقی سے بھری ہوئی لہروں کے قدموں پر لوٹ لوٹ
کر مٹ گئے۔ ہواؤں نے اپنی پُر اضطراب جنبشوں سے متحرک لہروں میں ایک نیا جوش بھر دیا۔

پیدا ہونے والے نغمے لرزاں سروں میں گنگنانے لگے۔ کنارے پر کے درخت وجد میں آکر جھومے۔ اور شاخوں کے سائے جذبات سے مجبور ہوکر۔ کانپ کانپ کر۔ لرز لرز کر۔ بڑھے۔ کہ لہروں سے ہمکنار ہو جائیں۔ سبزۂ خود رو کی نازک روحوں نے نغمۂ جاری سے بالیدگی حاصل کی۔ اور مست ہو کر لہلہانے لگا۔ تغیرات زمانہ کی افسردہ کردینے والی گردشوں سے ستائے ہوئے کنج تنہائی کے شائق انسان نے آب رواں کے جذبہ انگیز راگوں کو سنا۔ اور اُس کے۔ دنیا کے شور و شغب کی پریشان کن صداؤں سے تھکے ہوئے کانوں نے ایک ایسی راحت کا احساس کیا۔ جو صرف فطرت کی رنگین کیفیتیں ہی عطا کرسکتی ہیں۔ اُس کے دل میں جیسے گھبراہٹوں نے تھکا دیا تھا۔ اطمینان کا۔ تازگی کا نور چمکا۔ اور اُس کی آنکھوں نے دنیا کو ایک ابدی سرور سے۔ ہمیشہ رہنے والی تسکین سے معمور پایا۔

دلِ غمدیدہ کی حسرت بھری حالت پر خون کے آنسو رونے والے شاعر نے اپنے نوزائیدہ نغموں کو جو خیال اور تفکر کی وسعتوں میں لپٹے ہوئے جذبات عشق کی فراوانیوں کے گلے مل رہے تھے۔ دل کی گہرائیوں سے باہر نکالکر ندی کے کنارے پر ڈال دیا۔ کہ پھر واپس نہ آنے والے۔ بہتے پانیوں کی نغمہ انگیز روانیوں سے تاثیر حاصل کرکے اُن دلوں کو تڑپا دیں۔ جن کی مشہور عالم بے نیازیاں اکثروں کی زندگی تلخ کر دیا کرتی ہیں۔

اور۔ نغموں کی دیوی؟ وہ تو اپنے متبسم ہونٹوں سے خُشکی کو دائمی سکون کے شیریں منتر سُناتی ہوئی۔ اپنی روانی میں تغیرات کا خوانہ سمیٹتی ہوئی۔ سرسبز مرغزاروں کے دلکشا گوشوں میں کھیلتی ہوئی۔ کناروں کو میٹھی لوریاں سُناتی ہوئی۔ اپنے وسیع نغموں کے فراخ آغوش میں مضطرب لہروں کو خوش آہنگ صداؤں سے تسکین دیتی ہوئی تیزی اور سرعت کے دامنوں پر اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی نغمہ زا اداؤں سے آگے بڑھی۔ اور دُور دراز فاصلہ پر سمندر کے عدم آباد میں مع اپنے نغموں کے فنا ہوگئی۔

امیر حسن ناز

کلام شمیم

(آنریبل رائے بہادر پنڈت شیو نرائن شمیم)

(بلا انتخاب)

سرِ کوہ کٹیا بنا کے ہم کہ نہ کوئی بستی قریب ہو
بسیں اُس میں جا کے شمیم ہم یہ نشیمن اپنے نصیب ہو

نہ مقدموں کے ہوں مخمصے نہ سُنیں ججوں کے ڈھکوسلے
نکریں کسی سے مباحثے نہ مقابلہ میں رقیب ہو

نہ غرض ہو وید و پُران سے نہ گرنتھ اور نہ قرآن سے
کریں یاد گوتم بدھ کے ہم وہی ہر دم اپنا ادیب ہو

کریں ورد اُس کے کلام کو کہ رموزِ دہر ہوں منکشف
جو ستائے درد و الم ہمیں تو بغل میں اپنے طبیب ہو

نہ ستائش اپنا شعار ہو نہ کریں کسی کی شکائتیں
نظر آئے ہر بشر ایک سا وہ رزیل ہو کہ نجیب ہو

نہو مال و زر کی ہمیں ہوس دم نقد پاس ہو اور بس
نہ دوکان ہو نہ حساب ہو نہ کتاب ہو نہ منیب ہو

مئے معرفت پئیں دم بدم بُت گوتم اپنے ہو سامنے
کریں سجدہ اُس کے حضور میں وہی پیارا اور حبیب ہو

خیالات پریشان

غرور تو سب میں ہے لیکن اس کے ظاہر کرنے کا طریقہ جُدا جُدا ہے۔ یہ بھی قدرت کا ایک بڑا عطیہ ہے۔ جس سے ہم اپنی کمزوریوں کے جاننے کی تکلیف سے بچ جاتے ہیں۔

ایک دانا شخص جھگڑے میں پڑکر کامیاب ہونے کی نسبت اس سے الگ رہنے کو زیادہ احسن خیال کرتا ہے۔

خود غرضی بھی ایک بیماری ہے۔ جو ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ دیتی ہے۔ اسوقت ہمیں اپنے عیب بھی نیکیاں معلوم ہوتے ہیں۔

دولت سے کوئی سیر نہیں ہوتا لیکن ہر ایک اپنی عقل کو پوری تسلیم کرتا ہے۔

اچھی گفتگو کی پہچان یہ ہے کہ وہ دماغ کی نسبت دل پر زیادہ اثر کرے۔

ایک مغرور شخص کبھی اس شخص کو معاف نہیں کر سکتا جس نے اس کو کوئی بُرا کام کرتے ہوئے دیکھ لیا ہو۔

دشمن سے نفرت کرنا اور اس سے بدلہ لینے کی خواہش کرنا کمزور آدمی کا کام ہے۔ بہادر آدمی کا ضمیر ان باتوں سے بالاتر ہے۔

ان لوگوں کو دشمن نہ بناؤ جو تمہارے اچھے دوست بن سکتے ہیں۔ دوستی کے قابل صرف وہی شخص ہو سکتا ہے۔ جو اگر مخالف ہو جائے تو ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

وہ چیزیں جن کے حاصل کرنے کی ہمیں از حد خواہش ہوتی ہے یا تو ملتی نہیں اگر ملتی ہیں۔ تو ایسے وقت اور ایسی حالت میں کہ خوشی کی بجائے تکلیف ہوتی ہے۔

محبت اچانک پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میں سوچ کا کام نہیں۔ ایک سیکنڈ میں کسی کی شوخ نگاہ یا مستانہ ادا ہمارا دل چھین لیتی ہے۔

دوستی اس کے برخلاف آہستہ آہستہ بڑھتی ہے۔ اس کے لئے وقت کی ضرورت ہے۔ دوستی کا درجہ واقفیت کے بعد ہے۔

ایک دلفریب چہرا یا صرف ایک سیمین کلائی جو چلمن سے باہر نکلی ہوئی ہو ایک آن میں وہ کام کر جاتی ہے جس کا برسوں کی دوستی مقابلہ نہیں کر سکتی۔

طویل عرصہ جو دوستی کو مضبوط کرتا ہے محبّت کو گھٹاتا ہے۔ دُنیا میں سچی محبت کرنے والوں کی نسبت سچّے دوست کم پائے جاتے ہیں۔

سچّی محبّت صرف ایک دفعہ ہو سکتی ہے۔ اور وہ بھی پہلے موقع پر۔

محبّت کا ادنےٰ درجہ یہ ہے کہ عاشق معشوق کو اپنی نسبت زیادہ چاہے۔

معشوق کی بے پروائی اور بے اعتنائی میں بھی عاشقِ صادق ایک عجیب لطف حاصل کرتا ہے۔ جو بیان سے باہر ہے۔

سچّے دوست ایک دوسرے کے عیوب کی اصلاح کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں لیکن اپنے عیوب میں اول تو ہمیں کوئی عیب نظر ہی نہیں آتا۔ اگر کوئی ہو تو اس کو زبان سے نکالنا موت کا سامنا ہے۔

دوستی کے کم ہونے کے لئے کسی سبب کی ضرورت ہوتی ہے محبّت میں اس کی مطلق ضرورت نہیں صرف یہی کافی ہے کہ محبت زیادہ تھی۔

محبت کے انجام میں بھی ہم اس کے آغاز کی طرح تنہائی پسند ہو جاتے ہیں۔

عزیز بخش بی۔ اے۔ بی۔ ٹی

خمسہ بر غزل مولانا حسرت موہانی

(حضرت نازش بدایونی)

فغانِ دل نمونہ بن چکی شورِ قیامت کا مٹا صبحِ تمنا سے اندھیرا شامِ فرقت کا
نہ رنگِ بیقراری ہے نہ مجمع یاس و حسرت کا گروہِ عاشقاں میں جوش ہے شوقِ زیارت کا
ترے کوچے میں اک ہنگامہ برپا ہے محبت کا

بلا سے حشر میں لبریز ہو اعمال کا دفتر سیاہی اس طرح پھیلے نہ باقی ہو نگہ تک بھر
مگر اندازۂ عصیاں سے شانِ عفو ہے بڑھکر گنہگارانِ اُمت سے ہے راضی داورِ محشر
کہ ان سے نام چمکیگا ترے حُسنِ شفاعت کا

بنائے ہر دو عالم ہے بہارِ بزمِ امکاں ہے خدا جانے کہ باطن میں ہے کیا ظاہر میں انساں ہے
سراپائے مقدس ہے کہ نورِ پاک یزداں ہے جبین و چشم و لب میں تیرے اک گنجینہ پنہاں ہے
صباحت کا ملاحت کا لطافت کا نظافت کا

یہ مانا جرم کا اظہار ہو جائیگا محشر میں بڑی دولت ہے یہ دیدار ہو جائیگا محشر میں
خدا سے ان سے کچھ اقرار ہو جائیگا محشر میں گنہگاروں کا بیڑا پار ہو جائیگا محشر میں
جو آیا جوش غفاری میں دریا انکی رحمت کا

بھری ہے کوٹ کر نازش کے دل میں الفتِ دینی سکھائی ہے نرالے ولولوں نے عاقبت بینی
نہ ہے زخموں کی گلکاری نہ ہے داغوں کی گلچینی غضب ہے شوق کے جذبات گوناگوں کی رنگینی
دلِ حسرت بھی اک نیرنگ ہے رازِ محبت کا

گلکدہ۔ کلام حضرت عزیز لکھنوی

کس کے جلوے نے یہ کی آئینہ بندی ہر سو — دیکھا جس ذرے کو وہ دیدہ حیران نکلا
اے جنوں موج صبا پھر ہوئی دامن کش گل — پھر وہی سلسلۂ چاک گریبان نکلا

دل کا چھالا ٹوٹا ہوتا — کاش یہ تارا ٹوٹا ہوتا
شیشۂ دل کو یوں نہ اُٹھاؤ — ہاتھ سے دیکھو چھوٹا ہوتا (لاجواب)
چشم حقیقت بیں اک ہوتی — باغ کا بوٹا بوٹا ہوتا
خیر ہوئی اے جنبش مژگاں — زخم کا ٹانکا ٹوٹا ہوتا

وسعت عالم نے اپنی دلفریبی کے لئے — لے لئے ہیں مختلف رنگ آپ کی تصویر کے
چھان لی دُنیا تو یہ کھلکے ہوا عزلت گزیں — دل ہی جائینگے اگر ہونگے مری تقدیر کے
دل کے نالے نارسا ہوں لیکن اتنا ہے عزیز — حوصلے بڑھنے نہ دونگا میں بھی چرخ پیر کے

حضرت عزیز لکھنؤ کے نامور شعراء میں سے ہیں۔ افسوس ہے کہ اس وقت ہجوم امراض اور شدت آلام کے سبب سے میں زیادہ نہیں لکھ سکتا۔ انہیں چند اشعار سے ان کی زباندانی اور بلند خیالی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اُن کے دل پر معانی کا حقیقی اثر بھی ایسا ہوتا ہے کہ باوجود واقفیت میں اُس کو چند الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ مولف نے دیباچے میں مصنف کے کچھ حالات لکھدیئے ہیں۔ حضرت عزیز کا یہ فرمانا نہایت بامعنی تھا۔ کہ میں اپنے لئے شعر کہتا ہوں۔ اس پر میں نے جو عرض کیا تھا اُس کا اول مصرعہ غلط چھپ گیا ہے۔ قافیہ شاید تیرے ہے۔ اُمید ہے کہ اہل ملک گلکدے کو طلب فرما کر لطف اُٹھائیں۔

مصنف کا قدیم نیاز مند
اکبر

کلام قیصر

(حضرت شمشیر قدر نواب سید احمد علیخاں بہادر لکھنوی مصنف تاج سخن)

دل نکل آیا مرے سینہ سے اس تیر کیساتھ — غیر کا نام لیا تو نے جو توقیر کے ساتھ

اب تو امید کوئی زیست کی باقی نہ رہی — پھر گئے دیکھئے وہ بھی مری تقدیر کیساتھ

بے حسی اصل میں اور نقل میں کچھ فرق نہو — کھینچ لے رُوح جو مانی مری تصویر کیساتھ

اِک نظر دیکھ لے مُنہ پھیر کے جانے والے — بے رُخی اتنی نہ کر عاشقِ دلگیر کے ساتھ

مجھ سے کہتی ہے یہی حُسن فریبی اُسکی — دل کے ارمان جو نکلینگے تو تدبیر کیساتھ

اے مصور یہ کشش لائیگی کچھ رنگ ضرور — تیغ وہ کھینچ رہے ہیں مری تصویر کیساتھ

تیری اُلفت کا ستمگر یہ نرالا ہے ڈھنگ — کہ اُترتی ہے ہر اک دل میں ترے تیر کیساتھ

راست گویانِ جہاں کا ہے مقولہ قیصر
سچ تو یہ ہے کہ گیا لطف زباں میر کیساتھ

ریویوز

عقد ثریا - یہ ماہواری رسالہ زیر ادارت یادگار درد مولانا حکیم سیّد ناصر نذیر فراق دہلوی دارالسلطنت دہلی سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ مولانا موصوف کی دلی کی ٹکسالی زبان میں فسانہ نگاری قبولیت عامہ حاصل کر چکی ہے۔ یہ رسالہ بھی فراق دہلوی کی سحر نگاریوں کا مجلّٰی آئینہ ہے۔ رسالہ کیا ہے معجون مرکب ہے جس میں ادب تاریخ حکمت تمدن ناول تصوف نظم و نثر سبھی کچھ ہے۔ سالانہ چندہ ۱۸؍ ہے۔ لکھائی چھپائی اچھی ہے۔ دفتر رسالہ عقد ثریا سے طلب کیا جائے۔

تہذیب القواعد مصنفہ مولوی قاضی عبدالرحمٰن صاحب حیرت مدرس فارسی مسلم جارج اسکول اعظم گڈھ حجم ۱۹۲ صفحات قیمت ۷؍

یہ اُردو گرامر دوسری گراموں کے مقابلہ میں نہایت مفید ہے۔ عام فہم سلیس عبارت میں اُردو صرف و نحو کے قاعدے ایسے سُلجھے ہوئے پیرایہ میں بیان کئے ہیں۔ کہ معمولی سمجھ رکھنے والا طالبعلم بھی اُستاد کی ذراسی توجہ سے اُردو لکھنے پڑھنے میں مہارت حاصل کر سکتا ہے۔ مثالوں میں جابجا دلکش اشعار لکھ کر گرامر کی یبوست کو دُور کر دیا ہے۔ درجہ پنجم و ششم کے طلبہ اس قواعد سے حسب دلخواہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

مذکورہ بالا پتہ پر حضرت مصنّف سے درخواست کی جائے۔

اُردو کا قاعدہ مصنفہ شیخ محمد عطاء اللہ بی۔ اے ہیڈ ماسٹر سکاچ مشن اسکول چھاؤنی سیالکوٹ قیمت ایک آنہ چھ پائی۔ شیخ صاحب نے یہ قاعدہ ابتدائی جماعتوں کے لئے ترتیب دیا ہے۔ مصنّف کے تحریر کردہ طرز تعلیم کے مطابق اگر پڑھایا جائے تو بچے بہت تھوڑی مدت میں حروف تہجی کے مرحلوں کو طے کر کے عبارت لکھنی پڑھنی سیکھ سکتے ہیں۔ مختصر مفید کہانیاں سادہ عبارت میں لکھ کر آخر میں خوشنویسی کے متعلق ہدایات درج کی ہیں۔

گلکدہ - حضرت عزیز لکھنوی کا مجموعۂ کلام حجم ۱۲۸ صفحات کاغذ ولایتی مجلد قیمت ایک روپیہ ملنے کا پتہ - لکھنؤ شرف آباد عزیز منزل -

جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی کی شخصیت دنیائے شاعری میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے - آپ کا دلگداز کلام جذبات عالیہ کا آئینہ ہوتا ہے - حضرت یاس نے آپ کے کلام پر تنقیدی مضامین کا طویل سلسلہ شائع کیا ہے - اور اس میں شک نہیں کہ ان میں بہت سے اعتراض ناقابل انکار ہیں لیکن پھر بھی لکھنؤ کے سربرآوردہ سخن نگاروں کی فہرست میں سب سے پہلے حضرت عزیز کا نام لکھا جائے تو لکھنے والے کو اپنے ضمیر سے شرمندہ ہونے کی ضرورت نہ ہوگی - لکھنؤ کے جو سخن سنج اخباری دنیا میں مشہور ہو چکے ہیں - اُن کے مقابلہ میں حضرت عزیز کو میں ترجیح دیتا ہوں "گلکدہ" آپ کے دلکش کلام کا مجموعہ ہے -

اکثر اشعار جذبات درد و سوز و گداز کی مجسم تصویر ہیں -

ہماری مسجدیں اور اُن کے امام - ۴۴ صفحات قیمت ۴

یہ ۴۰ صفحات کا مفید رسالہ جناب مولوی قاضی فتح محمد صاحب انبالوی ایڈیٹر الراعی نے تصنیف کیا ہے - اس میں مساجد اور اُن کے اماموں کی موجودہ ناگفتہ بہ حالت کا نقشہ کھینچکر اصلاح کے طریقے بھی سلیس عبارت میں بیان فرمائے ہیں - قاضی صاحب کی مذہبی دلسوزی اُن سے ایسی ہی ضروری اور مفید ہے - اصلاح پسند مسلمان ذیل کے پتہ سے طلب فرمائیں

ناظم کتبخانہ الراعی - لاہور

انقلاب - دارالسلطنت دہلی سے اس نام کا ہفتہ وار اخبار جاری ہوا ہے - ملکی معاملات پر آزادانہ رائے لکھنے میں اپنے ہمعصروں سے منفرد ہے - ہندو مسلم اتحاد کا بڑا حامی ہے - لکھائی چھپائی کاغذ اعلےٰ ہے - ہم اپنے معزز معاصر کا دلی خیر مقدم کرتے ہیں -

چندہ سالانہ تین روپے - دفتر انقلاب دہلی سے طلب کیا جائے -

کہکشاں کی کج ادائی

مولوی ممتاز علی صاحب کے نوزائیدہ کہکشاں کے شوخ و شنگ اڈیٹر کو اڈیٹری کیساتھ تنقید نگاری کا بھی خیر سے شوق چرایا ہے۔ خدا چشم بد سے بچائے۔ تنقید نگاری اگر خارجی اثرات سے متاثر ہوئے بغیر کی جائے تو مفید ہوتی ہے۔ ورنہ صاحب تنقید کے لئے وبال جان ہو جاتی ہے۔ دوسرے رسالوں کی طرح مخزن پر بھی انہیں تنقید کا حق حاصل ہے لیکن ہماری ضد پر خدا کے۔ لئے ضمیر کے خلاف تنقید کر کے رسوا نہ ہوں۔ مخزن کی کاپیاں مکمل ہو کر پریس جا رہی تھیں کہ کہکشاں ماتمی لباس میں ہمیں ملا۔ ہم آئندہ ان کی تنقید پر روشنی ڈالینگے۔ آخر میں اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اڈیٹر صاحب دوسروں کے گھروں پر کلوخ اندازی کی مشق کرتے ہوئے ذرا اپنے شیش محل پر بھی ایک نظر ڈال لیا کریں کہیں ایسا نہ ہو آپ کے بیباک دوستوں کو کہکشاں کے چہرے سے نقاب کشائی کی رسم ادا کرنی پڑے۔ آئندہ آپ کچھ لکھیں تو مولوی صاحب قبلہ کی سنجیدگی کو بھی اُس میں شریک کرلیں۔

واقعات حاضرہ

مقام مسرت ہے کہ مولوی محمد شفیع صاحب ایم اے جو پنجاب گورنمنٹ سے وظیفہ لیکر بغرض تکمیل تعلیم ولایت تشریف لے گئے تھے۔ تقریباً چار سال کے بعد بخیر و خوبی ۲۳ فروری کی صبح کو اپنے وطن قصور میں وارد ہوئے۔ اسٹیشن پر عمائد شہر کا بڑا ہجوم تھا۔ امید ہے عزیز و اقارب سے مل ملا کر عنقریب لاہور تشریف لائیں گے آپ کی ذات سے قوم کی جو توقعات وابستہ ہیں۔ خدا انہیں بار آور فرمائے۔ آمین۔

انجمن ارباب علم پنجاب کا علمی مشاعرہ ۸ فروری کو زیر صدارت نذر قوم میاں بشیر احمد صاحب بی اے بیرسٹر ایٹ لاء ایس پی۔ ایس۔ کے ہال میں نہایت شان و شوکت سے منعقد ہوا۔ تمام ہال حاضرین سے پُر تھا جن میں شہر کے رؤسا و کلا بیرسٹر چیفس کالج اور دوسرے مقامی کالجوں کے پروفیسر اور طلبہ تھے۔ حکیم احمد شجاع بی۔ اے مولوی اکبر منیر بی۔ اے و منشی فاضل۔ مولانا اکبر شاہ خانصاحب اڈیٹر عبرت۔ پنڈت میلا رام وفا سب اڈیٹر دیش۔ خلیفہ عبد الحکیم صاحب ایم۔ اے۔ خاکسار تاجور حضرت آرزو لکھنوی جانشین جلال مرحوم میاں بشیر احمد صاحب صدر جلسہ کے مضامین نظم و نثر نے تمام مجلس کو سیراب مسرت کردیا۔ مفصل روئداد اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔

تبصرہ

قصۂ گوشت فریانو۔ مخزن کے دیرینہ قلمی معاون مولوی نعیم الرحمٰن صاحب ایم۔اے منشی فاضل نے طویل سکوت کے بعد دوبارہ قلم زبان کو حرکت دی ہے۔ اُمید ہے۔ کہ مولوی صاحب اپنے افادات سے آئندہ بھی مستفید فرمائینگے۔

کارزارحیات۔ ہمارے دوست جناب سالک بٹالوی پنجاب کے خوشگو شاعروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ہمارے اس دعوے پر یہ نظم جو اُنہوں نے ہمیں عنایت فرمائی ہے۔ شاہد ہے۔

تضمین۔ مولانا ابوالحسن صدیقی بدایونی نے لسان العصر کے دو شعر پر تضمین ارسال فرمائی ہے۔ کسی شعر پر تضمین کے معنی یہ ہیں۔ کہ اصل شعر کو اپنا بنا لیا جائے۔ اس تضمین کے مصرعے بھی باہم دست وگریبان نظر آتے ہیں۔

ہوائی جہاز۔ پروفیسر رام سروپ صاحب کوشل بی۔اے۔ ایم۔آر۔اے۔ایس نے یہ مفید مضمون کسی علمی رسالہ سے ترجمہ کر کے مخزن کو عنایت کیا ہے۔ امید ہے کہ پروفیسر صاحب سلسلۂ عواطف کو جاری رکھینگے۔

کلام آرزو۔ جناب سیّد انور حسین آرزو لکھنوی جانشین جلال مرحوم صُوبہ اودھ کے گرامیقدر شاعر ہیں۔ آپ کا کلام سوز و گداز کی تصویر ہوتا ہے۔ انجمن ارباب علم پنجاب کا گذشتہ علمی مشاعرہ آپ ہی کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ اُس میں آپ نے یہ دلگداز نظم سنا کر اہل بزم کو پیکر تاثر بنا دیا تھا۔

صحت پر تخیّل کا اثر۔ جناب نذیر احمد خاں صاحب بی۔ایس۔سی کا یہ مفید مضمون اس قابل ہے۔ کہ اسے بار بار پڑھا جائے۔ مُلک کو اس قسم کے مفید مضامین

کی بہت ضرورت ہے۔

بی نیند سے دو باتیں - یہ دلچسپ مضمون سیّد ابوالظفر ایل۔ ایل۔ بی (علیگ) کی شگفتہ نگاری کا نمونہ ہے۔ مخزن کی فہرست مضامین میں سیّد صاحب کا نام ایک قابلقدر اضافہ ہے۔

شذرات

ناظرین مخزن یہ سُنکر خوش ہونگے۔ کہ مخزن کے ایڈیٹوریل سٹاف میں مُلک کے مشہور انشا پرداز حضرت اظہر علی آزاد ایم۔ آر۔ اے۔ ایس (لنڈن) کا قابلقدر اضافہ ہُوا ہے۔ کئی ماہ سے مَیں اور منیجر صاحب مخزن جناب موصوف سے اصرار کر رہے تھے۔ شُکر ہے کہ ہماری استدعا بیکار نہیں گئی۔ چنانچہ ۱۵ مارچ کو حضرت آزاد لاہور تشریف لے آئے۔

آپ کی علم دوستی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ ایک معزز سرکاری عہدہ سے دستکش ہو کر علم و ادب کی خدمت کے لئے مخزن میں تشریف لائے ہیں۔

تاجور ایڈیٹر

مخزن

قصّۂ گوشت فریانو

گوشت فریانو کا قصّہ پیغمبرِ ایران زرتشت اعظم کی الہامی کتب میں سے ایک ہے۔ گو یہ اُس قدر اہم و ممتاز نہیں ہے۔ جیسا کہ یسنہ ۔ وسپرد ۔ وینندیداد ۔ یشت اور خورد اوستا ہیں۔ تاہم کتبِ الہامی کا ایک جزو ہونے کی وجہ سے پارسی حضرات کے لئے نہایت متبرک اور معظم ہے سطور آئندہ میں یہ تمام قصّہ لفظ بہ لفظ درج کیا جاتا ہے۔ یہ تحقیق کرنا ایک مشکل امر ہے۔ کہ اس قصّے کی اصلی عمر کیا ہے۔ اور اس کی تحریر کا زمانہ کونسا تھا۔ ژند و پاژند وغیرہ کی تحریرات ہیں اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ اِس قصّے کے باب اوّل میں مارسپند کے لفظ میں آذرباد مارسپند کی طرف اشارہ سمجھنا ناممکن ہے۔ علیٰ ہذا القیاس باب دوم میں لفظ پرویز سے بادشاہ خسرو پرویز مراد لینا بھی درست نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ متعدد پہلوی تصانیف کو اُس بادشاہ کے زمانے سے منسوب کیا جائے یا زیادہ سے زیادہ خسرو نوشیرواں کے وقت کا کہا جائے۔ اِس کی طرز تحریر سے بھی اس کے اصلی زمانے کا کچھ قابل اعتماد ثبوت نہیں مل سکتا۔ کیونکہ بہمن یشت وغیرہ کتابیں جو اسلام کی فتح ایران کے بہت بعد کی تحریریں ہیں بہ لحاظ طرز تحریر قدیمی معلوم ہوتی ہیں کم از کم اسقدر کہا جا سکتا ہے کہ گوشت فریانو ساسانیوں کے زمانے سے بھی بہت قبل زندہ تھا۔ اور اس قصّے کا ماخذ

ساسانیوں کے ماقبل کے زمانے میں مل سکتا ہے۔

لفظ گوشت کے متعلق یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ یا تو یہ لفظ یوشت کی بگڑی ہوئی صورت یا شاید صرف اُس کے تلفظ میں غلطی کی جاتی ہے۔ اور بجائے ی کے گ بولا جاتا ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ قدیم ترین قلمی نسخوں میں بھی یہ لفظ یونہی لکھا ہوا ہے۔

باب اوّل

دُعا ہے کہ گوشت فریانو کا[۵۱] یہ قصہ خُدا کی مدد سے مسعود مُبارک ہو!

روایت ہے کہ جب اَخت نامی ساحر سات تُمن فوج لیکر "معمّا حل کرنے والوں کے شہر" کو گیا تو اُس نے بہ آواز بُلند یہ اعلان کیا:۔ "مَیں معمّا حل کرنے والوں کے شہر کو ہاتھیوں سے روندوا دُونگا"! علاوہ اِس کے اُس نے ایک ایسا شخص بھی طلب کیا جس نے پندرہ سال کی عمر سے آجتک کبھی قانونِ الٰہی کی خلاف ورزی نہیں کی۔ جب اِس نوع کا شخص اُس کے پاس آتا تو وہ اُس سے ایک معمّا بیان کرکے اُس کا حل طلب کرتا۔ اور جو شخص اُس کے معمے کی شرح و تفصیل بیان نہ کرسکتا۔ اُسے وہ گرفتار کرکے قتل کر دیتا۔

اِن واقعات کے بعد اُس شہر میں ایک شخص کا پتہ چلا جس کا نام مارسپند تھا۔ اُس نے آگے بڑھ کر اَخت سے کہا کہ "خبردار! تو معما حل کرنے والوں کے شہر کو ہاتھیوں سے نہ روندوا اور اِن بے گناہ انسانوں کو قتل نہ کر۔ کیونکہ اس شہر میں گوشت فریانو نامی ایک شخص ہے جو پندرہ برس کی عمر سے آجتک کبھی قانونِ الٰہی کی خلاف ورزی کا مرتکب نہیں ہوا۔ اور جو معما تو اُس کے سامنے

[۵۱] آبان یشت کی آیت ۸۱ میں یوئشتو یو فریننام کا بیان ہے۔ ڈاکٹر بھاؤ گ نے اپنے سفرنامۂ گجرات کے صفحہ ۵ پر ایک نوٹ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ آبان یشت کی جس عبارت میں اس کا نام واقع ہوا ہے اُسکا ترجمہ یوں ہوسکتا ہے:۔ "یوئشت نے جزیرۂ رنگھ کے ساحل پر دیوی کے سامنے نذر پیش کی جس میں ایک سو گھوڑے۔ ایک ہزار چوپائے اور ایک تمن نوزائیدہ جانور تھے۔ اُس نے دیوی کے سامنے کھڑے ہوکر یہ دُعا مانگی۔

صفحہ ۵ پر

پیش کریگا۔ وہ ضرور اُسے حل کر دیگا!"

یہ سُنکر اخت فسون گرنے گوشت فریانو کے نام یہ پیغام بھیجا۔ کہ "میرے مکان تک آ۔ مَیں تجھ سے تینتیس[۵۱] معمے پُوچھونگا۔ اور اگر تونے جواب نہ دیا یا یہ کہا کہ "مَیں نہیں جانتا" تو یاد رکھ کہ مَیں تجھے اُسی دم قتل کر دُونگا۔"

چنانچہ گوشت فریانو حسب دعوت اخت کے مکان پر پُہنچا۔ لیکن چونکہ جس فرش پر اخت بیٹھا ہُوا تھا۔ اُس کے نیچے انسان کا کچھ مردہ مواد[۵۲] رکھا تھا۔ اس لئے اُس نے مکان کے اندر قدم نہیں رکھا۔ بلکہ وہیں سے اخت جادُوگر کے پاس یہ کہلا بھیجا۔ کہ "تیرے فرش کے نیچے انسان کا کچھ مُردہ مواد رکھا ہوا ہے۔ مگر میرے ہمراہ سردش[۵۳] ہیں۔ اگر مَیں اُن کو اپنے ساتھ لئے ہوتے اس مکان میں چلا جاؤنگا تو وہ مجھے بالکل غیر محفوظ چھوڑ کر واپس چلے جائینگے۔ اور مجھ سے تیرے معموں کے حل کرنے کی طاقت سلب ہو جائیگی۔" اخت نے حکم دیا کہ وہ فرش اور چاندنی وہاں سے اُٹھا دیئے جائیں۔ اور نیا فرش بچھایا جائے۔ اِس کے بعد اُس نے پھر گوشت فریانو سے درخواست کی۔ کہ "آؤ۔ اس فرش اور گدے پر بیٹھو۔ اور جو معما مَیں تُم سے دریافت کروں۔ اُس کو حل کرو۔" گوشت فریانو نے کہا "او نابکار بدمعاش ظالم! اس گدے پر نہ بیٹھ کیونکہ اِس

کہ اے مہربان اور کریم النفس اَرِدوِسور اناہت! مجھے طاقت عطا کر کہ مَیں شریر بدکار اخت پر فتح پاؤں۔ مجھے اتنی قابلیّت دے کہ مَیں اُس بدمعاش کے اُن ۹۹ سوالات کا جواب دے سکوں۔ جو اُس نے مجھ پر کسے ہیں"

فروردین یشت کی آیت ۱۲۰ میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

[۵۱] آبان یشت میں ۹۹ کا ذکر ہے۔

[۵۲] اس کے معنے دو ہو سکتے ہیں۔ (۱) ایک مردہ جسم انسانی کا کوئی حصّہ۔ اور (۲) جاندار انسان کی کوئی غلیظ چیز۔ مثلاً ناخن یا اُس کے ٹکڑے وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کوئی ایسی چیز تھی جس کے چھُو جانے سے اُن کے اعتقاد کے مطابق پارسا آدمی ناپاک ہو جاتا ہے۔

[۵۳] مقرب فرشتے جن کو ساسانی شاسپند کہتے ہیں۔

میں انسان کا مُردہ مواد ہے۔ اور میرے ساتھ فرشتے[۵۱] اور سروش ہیں۔ جو میرے حافظ و ناصر ہیں۔ اگر میں اس گدے پر بیٹھونگا۔ تو میری رُوح ان میری حفاظت سے دست بردار ہو جائینگی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ میں تیرے پیش کردہ معموں کا جواب نہ دے سکونگا۔" آخر اخت نے اُس گدے کو بھی ہٹا دینے کا حکم دیا۔ اور نیا گدا منگا کر بچھایا۔ اور گوشت فریانو اس نئے گدے پر متمکن ہُوا۔

باب دوم

سب سے پہلا معما جو اخت فسونگر نے گوشت فریانو سے پُوچھا یہ تھا کہ "دُنیا کی بہشت اچھی ہے کہ عقبےٰ کی"؟ گوشت فریانو نے کہا" او نابکار بدمعاش ظالم۔ خُدا کرے کہ تو زندگی بھر آفت میں مبتلا رہے۔ اور مرکے دوزخ میں جھونکا جائے! دُنیا کی بہشت عقبےٰ کی بہشت سے بہتر ہے۔ اور اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ جو شخص دُنیا میں اپنا فرض ادا نہیں کرتا اور کسی طرح کا نیک کام نہیں کرتا اُسے عقبےٰ میں کسی قسم کی ملامت و ندامت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ پھر خاص تیرے لئے اِس کا ایک اور ثبوت یہ ہے۔ کہ اگر تو دُنیا میں کوئی ایسا کام کرے جو نیکی اور پارسائی سے خالی ہو تو اُس کے ذریعے سے تو بہشت بریں میں نہ جا سکیگا۔" جوں ہی یہ الفاظ اخت فسونساز نے سُنے وہ سراسیمہ و پریشان ہو کر بالکل ایسا ہو گیا۔ کہ جیسے کوئی یشت[۵۲] کرتے کرتے سر گشتہ و حیرہ سر ہو جاتا ہے۔ آخر اُس نے یہ کہا کہ" اے گوشت فریانو! یہ مجھ اخت فسونگر کے لئے سخت بدنصیبی ہے کہ تو مجھ پر فتحیاب ہُوا۔ جو قوّت اور غلبہ ایک زبردست آدمی کو زبردست ترین آدمی پر۔ ایک طاقتور گھوڑے کو اور تمام طاقتور گھوڑوں پر۔ ایک جسیم سانڈ کو جسیم ترین سانڈ پر۔ اور

---

[۵۱] فرشتے جن کو یزد کہتے ہیں۔

[۵۲] یشت یعنی دُعا۔ شکرانہ و نیاز جس میں کسی خاص فرشتے یا سروش کی شان میں حمد و ثنا ہوتی ہے۔ اور چونکہ اس کو ایک غیر مفہوم زبان میں ادا کیا جاتا ہے۔ اس لئے اگر اُس کی کثرت اور مداومت کی جائے تو ممکن ہے کہ آدمی کے قوائے عقلی و فعلی بالکل باطل ہو جائیں۔

آسمان کو زمین پر حاصل ہوتا ہے۔ وہی تجھ کو مجھ پر ہے[51]۔ کیونکہ میں نے اس معمے کی وجہ سے نو سو[9] آتش پرستوں کو قتل کیا ہے۔ جنہوں نے اپنے خدا کی اس قدر عبادت کی تھی کہ ہوم کا عرق پیتے پیتے اُن کے تمام بدن زرد ہو گئے تھے۔ میں نے سپیتام[52] کی نو بیٹیوں کو بھی قتل کیا ہے اگرچہ انہوں نے اعلاء مذہب کے ذریعے حکام ملک سے سونے اور موتیوں کا جڑاؤ تاج حاصل کیا تھا۔ جب میں نے اُن کے سامنے یہ معمّا پیش کیا اور اُنہوں نے یہ جواب دیا کہ آسمانی بہشت بہتر ہے تو میں نے کہا کہ چونکہ تم اُس بہشت کو اچھا سمجھتی ہو اس لئے مناسب ہے کہ تم اُسی عمدہ بہشت میں پہنچ جاؤ۔ یہ کہکر میں نے اُن کو قتل کر دیا۔

دوسرا معما جو اُس نے دریافت کیا یہ تھا۔ کہ " اہرمزد کی مخلوقات میں وہ کونسا جانور ہے جو بمقابلہ اپنی پچھلی ٹانگوں کے اگلی ٹانگوں پر بیٹھ کر زیادہ بلند ہو جاتا ہے"؟ گوشت فریانو نے یوں جواب دیا کہ " او نابکار بدمعاش ظالم۔ خدا کرے کہ تو زندگی بھر آفت میں مبتلا رہے۔ اور مرکر دوزخ میں جھونکا جائے! وہ مخلوق کتا ہے"۔

تیسرا معما یہ تھا۔ کہ " اہرمزد کی مخلوق میں سے وہ کونسا جانور ہے۔ جو چلتا تو ہے۔ مگر قدم بہ قدم[53] نہیں چلتا"؟ گوشت فریانو نے کہا کہ " او نابکار بدمعاش ظالم۔ خدا کرے کہ تو زندگی بھر آفت میں مبتلا رہے۔ اور مرکر دوزخ میں جھونکا جائے! جو جانور چلتا تو ہے مگر قدم بہ قدم نہیں چلتا وہ چڑیا ہے"۔

چوتھا معمّا جو اُس نے پوچھا یہ تھا کہ " اہرمزد کی مخلوق میں سے وہ کونسا مخلوق ہے جسکا

---

[51] اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ محض اتفاق قدرتی اور حالات طبعی کی وجہ سے تجھ کو مجھ پر فوقیت حاصل ہوئی ہے نہ کہ اصلی خداداد قوت و طاقت یا عقل و شعور کی بدولت۔

[52] اس لفظ کا اصلی پہلوی تلفظ سپیتامان ہے۔ یہ شخص زرتشت کے اجداد میں سے تھا لیکن چونکہ زرتشت کی اولاد میں صرف تین لڑکیاں تھیں۔ اس لئے اس مقام پر سپیتامان سے مراد زرتشت نہیں ہو سکتی۔

[53] یعنی یہ کہ وہ جانور یکے بعد دیگرے قدم اُٹھا کر گام بہ گام نہیں چلتا۔ بلکہ صرف پُھدکتا ہے۔

دانت سینگ جیسا ہوتا ہے۔ اور سینگ گوشت کی مانند"؟ گوشت فریانو نے جواب میں یوں کہا۔ کہ" نابکار بدمعاش ظالم۔ خُدا کرے کہ تُو زندگی بھر آفت میں مبتلا رہے۔ اور مرکر دوزخ میں جھونکا جائے! اُس مخلوق کا نام مُرغ ہے۔ جو سروش مقدس کا پرندہ ہے۔ اور جب وہ بولتا ہے تو اہرمزدی مخلوقات سے زندگی کی نحوستوں کو دُور کرتا ہے"۔

پانچواں معّمایہ تھا کہ" چھوٹا سا چاقو اچھا ہے یا کم کھانا اچھا"؟ گوشت فریانو نے جواب دیا کہ" او نابکار بدمعاش ظالم۔ خدا کرے کہ تُو زندگی بھر آفت میں مبتلا رہے۔ اور مرکر دوزخ میں جھونکا جائے! چھوٹا سا چاقو بہ نسبت کم خوری کے اچھا ہے۔ کیونکہ وہ برسم[51] کاٹنے اور اٹھا کر رکھنے کے لئے نہایت کار آمد ہے۔ مگر کم خوری کی وجہ سے غذا پوری طرح معدے تک بھی نہیں پہنچنے پاتی اور اگر پہنچتی بھی ہے تو رنج پیدا کرتی ہے۔

اُس نے چھٹا معّمایہ پیش کیا کہ" وہ کیا چیز ہے جو پُر ہے۔ وہ شہرت ہے۔ جو اِس دُنیا میں طاقتور چیز ہے۔ اور جب وہ معدوم ہو جائیگی۔ تو رُوح بالکل مطہر و مقدس ہو جائے گی۔ وُہ چیز جو نصف پُر ہے۔ افلاس و فلاکت ہے۔ جس کی ہستی بدبخت و ناکارہ ہے۔ اور جب وہ فنا ہو جائیگی۔ تو رُوح مطہر و مقدس ہو جائیگی۔ اور وہ چیز جو کبھی پُر نہیں ہوتی وہ مصیبت اور بلا ہے۔ جس کی ہستی ایک وبال ہے۔ اور جب وہ مٹ جائیگی۔ تو روح خبیث و ناپاک ہو جائیگی"۔

ساتواں معمایہ تھا کہ" وہ کیا چیز ہے جس کو لوگ پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر پوشیدہ نہیں رکھ سکتے"؟ گوشت فریانو نے جواب دیا۔ کہ" او نابکار بدمعاش ظالم خدا کرے کہ تو زندگی بھر آفت میں مبتلا رہے۔ اور مرکر دوزخ میں جھونکا جائے! جس چیز کو آدمی نہیں چھپا سکتا وہ بڑھاپا ہے کیونکہ بڑھاپا خود بخود نمودار ہو جاتا ہے"۔

آٹھواں معما جو اُس نے پوچھا یہ تھا کہ" وہ زندہ انسان کون ہے جو استی وہاد[52] کو دیکھتا ہے"

---

[51] برسم یعنی انار اور کھجور کی ننھی ننھی شاخیں جن کو پارسی حضرات یکجا باندھ کر قربانیوں کی مذہبی رسوم ادا کرتے وقت اپنے پاس رکھتے ہیں۔ [52] استی وہاد موت کے دیو کا نام ہے۔

اور مر جاتا ہے۔ مگر پھر یہ چاہتا ہے۔ کہ دوبارہ زندوں میں جا ملے۔ لیکن وہ پھر استی ویہاد کر دیکھتا۔ اور مر جاتا ہے۔ اور یہ امر اُسے بہت آسان معلوم ہوتا ہے"؟ گوشت فریانو بولا کہ" او نابکار بد معاش ظالم۔ خُدا کرے کہ تو زندگی بھر آفت میں مبتلا رہے۔ اور مر کر دوزخ میں جھونکا جائے! ایسا انسان وہ ہے جس نے نہ تو کبھی عبادت کی ہے اور نہ کبھی ہوم کا عرق پیا۔ دوسری قسم کا آدمی وہ ہے۔ جس کی عمر کتخدائی کے قابل ہے۔ مگر اُس نے کسی عورت کو اپنی بیوی نہیں بنایا۔ تیسری نوعیت کا شخص وہ ہے۔ جس نے کبھی کسی زندہ رُوح کی تعظیم نہیں کی۔ خیرات نہیں دی۔ خُدا کی عبادت نہیں کی۔ اور جس نے اپنی خیرات کے متعلق کسی نیک آدمی سے کہا کہ" میں تجھے دُونگا" مگر اُسے کچھ نہ دیا۔ ایسا شخص جب مرتا ہے تو اُس کی یہی تمنّا ہوتی ہے۔ کہ میں دوبارہ زندہ ہو جاؤں۔ وہ پھر مرتا ہے۔ اور دوبارہ استی ویہاد کو دیکھتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ سب اُسے بالکل سہل معلوم ہوتا ہے"۔

نواں معمّا اُس نے یہ دریافت کیا کہ" یہ بتاؤ کہ ہتھنی۔ گھوڑی۔ اونٹنی۔ گدھی۔ گائے۔ بھیڑ۔ عورت۔ کُتیا۔ سوّرنی اور بلی کتنے کتنے عرصے کے حمل کے بعد بچّہ پیدا کرتی ہیں"؟ گوشت فریانو اس کے جواب میں یوں گویا ہوا۔ کہ" او نابکار بدمعاش ظالم۔ خُدا کرے کہ تُو زندگی بھر آفت میں مبتلا رہے۔ اور مر کر دوزخ میں جھونکا جائے! ہتھنی تین برس میں۔ گھوڑی اونٹنی اور گدھی بارہ مہینے میں۔ گائے اور عورت نو مہینے میں۔ بھیڑ پانچ مہینے میں۔ کُتیا اور سوّرنی چار مہینے اور بلّی ساٹھ دن میں بچّے پیدا کرتی ہیں"۔

دسواں معمّا یہ تھا کہ" کونسا انسان زیادہ سرور اور راحت سے زندگی بسر کرتا ہے"؟ گوشت فریانو نے جواب میں کہا کہ" او نابکار بدمعاش ظالم۔ خُدا کرے کہ تُو زندگی بھر آفت میں مبتلا رہے۔ اور مر کر دوزخ میں جھونکا جائے! وہ شخص زیادہ خوشی اور آرام سے زندگی بسر کرتا ہے۔ جو بہ نسبت اوروں کے زیادہ بے خوف۔ قانع اور مالدار ہو"۔

گیارھواں معمّا اُس نے یہ پُوچھا کہ" وہ کیا ہے جو اِس دُنیا میں اہرمزد اور ملائکہ مقربین

کی مانند ہوتا ہے۔ حکام کا مکان منور و مقدس گروڑمانو[51] کا مثیل ہے۔ اور اُن کے وزرا ملائکہ مقربین کی طرح ہیں۔ بادشاہ اپنے محلوں میں ایسے ہیں۔ جیسے پرویز[52] اور دیگر محنتی اور ہنرمند لوگ باقی کے لوگوں میں اُن ستاروں کی مانند ہیں۔ جو آسمان میں نظر آتے ہیں"۔

بارہواں معما جو اُس نے حل کروایا یہ تھا کہ "کھانوں میں سے کونسا کھانا زیادہ لطیف اور خوش ذائقہ ہے"؟ گوشت فریانو نے کہا کہ "او نابکار بدمعاش ظالم۔ خُدا کرے کہ تُو زندگی بھر آفت میں مبتلا رہے۔ اور مر کر دوزخ میں جھونکا جائے! سب کھانوں سے زیادہ لطیف اور خوش ذائقہ کھانا وہ ہے۔ جو دیانت داری کی محنت سے حاصل کیا جائے۔ فرائض و اعمال صالحہ اُس کو ہضم کرتے ہیں اور اُس پر قابض ہو جاتے ہیں"۔

تیرھواں معما یہ تھا۔ کہ "ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ۔ چھ۔ سات۔ آٹھ۔ نو اور دس کیا کیا چیزیں"؟ گوشت فریانو یوں جوابدہ ہُوا۔ کہ "او نابکار بدمعاش ظالم۔ خُدا کرے کہ تُو زندگی بھر آفت

---

۵۱ گروڑمانو یعنی بہشت بریں یا اہرمزد کی بہشت۔ اس لفظ کا اصلی ترجمہ "راگ کا گھر" ہے۔ دیکھو ارداویراف نامک۔ باب ۱۰ و ۱۱۔

۵۲ پرویز وہی ستارے ہیں۔ جن کو پروین اور ثریا کہتے ہیں۔ قدیم لوگوں کا خیال تھا کہ اس گچھے میں سات ستارے ہیں۔ (اگرچہ اُن میں سے ایک بالکل بے نُور ہو چکا ہے) جن کو یہ آسانی آسمانی مجلس کے سات امشاسپند سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ کتاب بندھش کے مطابق پرویز چاند کی تیسری منزل ہے۔ جو غالباً ۱۸۰۰ سال پہلے پروین ہی سے مطابقت رکھتا ہوگا۔ ژند میں اس کا نام پوروتی لکھا ہے۔ لیکن شاید یسنہ کے باب ۱۲ آیت ۲۶ میں جس ستاروں سے جڑی ہُوئی۔ رُوحانی وضع کی پوردنی کی پیٹی کا ذکر ہے۔ وہ اوریَن کے سات ستاروں کا اور بھی مذہبی نام ہے۔ جواب سے ۳۰۰۰ سال قبل زیادہ صحیح طور پر چاند کی تیسری منزل ہو سکتی ہے یہ قیاس بہت خطرناک ہے۔ کہ یہاں لفظ پرویز سے بادشاہ خسرو پرویز مُراد ہے۔ جس کی حکومت سنہ ۵۹۰ء سے ۶۲۸ء تک رہی ہے۔ ورنہ اگر یہ درست ہو تو اس موجودہ عبارت سے اس پہلوی تحریر کے اصلی زمانے کا پتہ لگ سکتا ہے۔ مگر یہ درست نہیں۔

میں مبتلا ہے۔ اور مرکر دوزخ میں جھونکا جائے! ایک تو یہ پیارا سورج ہے۔ جو تمام دُنیا کو منور کرتا ہے۔ دو وہ سانس ہیں۔ جو باہر جاتے اور اندر آتے ہیں۔ تین یہ ہیں کہ خیالات نیک۔ اقوال نیک اور افعال نیک۔ چار پانی۔ مٹی۔ درخت اور جانور ہیں۔ پانچ میں پانچ کیانی[۵۱] بادشاہ شامل ہیں۔ چھ گہن بار[۵۲] کے چھ دن ہیں۔ سات ملائکہ مقربین ہیں۔ آٹھ سے ہمارے آٹھ مشاہیر[۵۳] مُراد ہیں۔ نو سے مفہوم انسان کے جسم کے نو شگافوں سے ہے۔ اور دس آدمی کے ہاتھوں کی دس اُنگلیاں ہیں۔

محمد نعیم الرحمٰن۔ مدراس

---

۵۱ پانچ کیانی بادشاہ یعنی کیقباد۔ کیکاؤس۔ کیخسرو۔ کے لہراسپ اور کے گشتاسپ۔

۵۲ گہن بار۔ وہ موسمی تیوہار ہیں۔ جو پارسی سال کے ۴۵۔ ۱۰۵۔ ۱۸۰۔ ۲۱۰۔ ۲۹۰۔ اور تین سو پینسٹھویں دن کو منایا جاتا ہے۔ ہندوستان کے پارسیوں کے حساب کے مطابق آجکل پارسی سال ہمارے انگریزی سال کی ۱۲ ستمبر کو شروع ہوتا ہے۔

۵۳ یہ یقین کرنا دشوار ہے کہ "مشاہیر" سے مشاہیر رجال مراد ہیں یا مشہور افسانے۔ ورنہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں کن کن مشہور لوگوں یا افسانوں سے غرض لی گئی ہے۔

کارزارِ حیات

(نتیجۂ فکر جناب شیخ عبد المجید خانصاحب سالک بٹالوی)

ایک دن ناکامیٔ ارماں سے مَیں تنگ آگیا
اور ہجومِ یاس میں جینے سے جی گھبرا گیا

ہوگئی دھندلی غمِ حرماں سے تصویرِ حیات
ہل گئی سیلابِ مایوسی سے تعمیرِ حیات

تھی یہی خواہش کہ دُنیا سے فنا ہو جاؤں مَیں
جی میں آیا خودکشی کرکے رہا ہو جاؤں میں

یا جہاں کو چھوڑ کر اک دشت میں تنہا رہوں
زندگی بھر بیٹھ کر یادِ خُدا کرتا رہوں

دیر تک اس رنجِ بے پایاں سے مَیں نالاں رہا
دیدۂ خوں ریز مرا منّت کشِ داماں رہا

پھر گیا روتا ہُوا اک پیرِ صاحبدل کے پاس
جیسے پیاسا بھاگ کر پہنچے کسی ساحل کے پاس

عرض کی اس سے کہ میں ناکامیوں میں ہوں اسیر
رہنمائی کر مری اے مرشدِ روشن ضمیر

تجھ کو رازِ زندگی اچھی طرح معلوم ہے
اور مرا تاریک دِل اس نور سے محروم ہے

زندگی کی اُلجھنوں کو کس طرح سلجھاؤں مَیں
یاس سے تنگ آکے کہتا ہوں کہ مرہی جاؤں میں

خودکشی کرلوں کہ ترکِ لذّتِ دُنیا کروں
اے خرد پرور۔ خُدارا اب بتا مَیں کیا کروں

سر ہلا کر پیرِ دانش مند نے مجھ سے کہا
اشکباری ہے عبث اے دلفگارِ زندگی

سو برس تک مَیں نے کی ہے جستجوئے رازِ دہر
مجھ سے بڑھ کر کون ہوگا رازدارِ زندگی

عمر بھر کا تجربہ یہ تجھ سے کرتا ہوں بیاں
کاوشِ سود و زیاں ہے کارزارِ زندگی

گلبستانِ مسرت کی یہی اک راہ ہے
گو کہ کانٹوں سے بھری ہے رہگزارِ زندگی

خارِ غم ہے زینتِ گلزارِ عالم اے عزیز
ہے خوشی کے خون سے رنگِ بہارِ زندگی

یاس بیہودہ خیالِ رنجِ ناکامی فضول ہے امید کامرانی سے وقارِ زندگی
خودکشی کرکے جو آزادی ملے وہ ہے ذلیل
ایسی لاکھ آزادیاں کردے نثارِ زندگی

نشہ جب کچھ بھی اُترتا ہے گرے جاتے ہیں رند لغزشِ ناکام کیا ہے اِک خمارِ زندگی
تو مسلسل پی۔ کہ اِک دم بھی خمار آنے نہ پائے
نشہ بے پایاں رہے۔ اے بادہ خوارِ زندگی

کہتے ہیں سب فلسفی بیکاریٔ اعضا کو موت ہے فقط دستِ عمل میں اختیارِ زندگی
اِک خلش ہیں اِک تڑپ میں ہو بسر عمرِ عزیز اضطرارِ زندگی ہے اقتدارِ زندگی
جان ہے سینے میں گر جوشِ تمنّا دل میں ہے
ہے تمنّا ہی سے قائم اعتبارِ زندگی

جا۔ کہیں سے دل میں پیدا کر وفورِ اضطراب دل میں ہے کچھ بھی اگر ذوقِ قرارِ زندگی
نغمۂ ہنگامہ زا اس وقت ہوتا ہے بلند بربطِ ہستی میں جب لرزاں ہو تارِ زندگی
اُٹھ امیدیں ساتھ لے کر غم کو دل سے دور کر
اپنے نغموں سے فضائے دہر کو معمور کر

رباعی

ہوں لعل کا غنچہ شوقِ زر و مال نہیں معنے کہ تمنّائے پر و بال نہیں
ہے قابلِ قدر عافیت گاہ قفس ہوں سبزۂ دیوار کہ پامال نہیں

آرزو لکھنوی

ہوائی جہاز

(پروفیسر رام سروپ کوشل بی۔اے۔ایم۔آر۔اے۔ایس انبالہ)

سنسکرت کی قدیم کتابوں میں آسمان میں چلنے والی گاڑیوں یعنے ہوائی جہازوں کا اکثر ذکر آتا ہے لیکن یہ تذکرے محض قصہ کہانیوں کی کتابوں تک ہی محدود ہیں۔یونانی روایتوں سے بھی اِس کا پتہ چلتا ہے۔بیان ہے کہ جب آرش میدس (۲۸۶ - ۳۶۲) قبل مسیح نے جو اپنے زمانہ کا ایک فاضل ریاضی دان تھا۔دیکھا۔کہ شہر کارتھیج کا دشمنوں نے محاصرہ کرلیا۔تو اُسنے باشندگانِ شہر کو آسمان سے باہر لیجانے کے لئے ہوائی جہاز تیار کئے۔

لیکن آج مغربی سائنس نے ہوائی جہازوں کو عام طور پر رائج کر دیا۔اور ہم ان میں بیٹھ کر آسمان کی خوب سیر کر سکتے ہیں۔

ہوا میں اُڑنے کی کلیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔قسم اول میں غبارہ (Ballon) شامل ہے۔اور دوسری قسم کی کلوں کو ایروپلین (aeroplanes) کہتے ہیں۔

غباروں کی تاریخ

انسان میں نقل کرنے کا مادہ فطری ہے۔جانوروں کو اُڑتے دیکھ کر آدمی کی بھی اُڑنے کی خواہش دن بدن زیادہ بڑھتی گئی۔اور اُس نے اُڑنے کی کوشش کرنی شروع کی۔

سب سے پہلی کوشش جس کا ہمیں پتہ چلتا ہے ۱۶۶۰ء میں ایلرڈ Allord نامی ایک فرانسیسی نے کی تھی۔۱۶۷۵ء میں پھر بینسنیر (BENSNEIR) نامی ایک اور فرانسیسی نے بھی ہوا میں اُڑنے میں کسی حد تک کامیابی حاصل کی۔مانٹ گولفیر MONTGOLFIER نام کے بھائی غبارہ میں گرم ہوا بھر کر اُڑے۔ہوا گرم ہو جانے کی وجہ سے اپنے چاروں طرف کی ہوا سے ہلکی ہو جاتی ہے۔اور اُوپر کو اُٹھنے لگتی ہے۔

اِس وقت تک ہوا میں اُڑنے کے جتنے تجربے کئے گئے تھے۔ وہ سب پتلی پتلی تھیلیوں میں گرم ہوا بھر کر کئے گئے تھے لیکن آگے چلکر مشہور فرانسیسی سائنسدان چارلس کو سوجھا کہ ہائیڈروجن HYDROGEN معمولی ہوا سے چودہ گنا ہلکا ہوتا ہے۔ اُس نے ہائیڈروجن کو کام میں لانے کا خیال کیا۔ ریشمی کپڑے پر وارنش کر کے اس کا غبارہ بنایا گیا۔ اُس کے اُوپر والے آدھے حصّہ میں جالی لگائی گئی۔ اور جالی سے مضبوط رسّیاں باندھ کر ایک ٹوکری باندھی گئی۔ غبارہ کے بہت ہلکے ہوجانے کا بھی خوف تھا۔ اس وجہ سے ٹوکری میں ریت کے کچھ تھیلے رکھ دئے گئے۔ سب سے پہلے اس قسم کے غبارہ میں ہائیڈروجن بھر کر برادرز رابرٹ BROTHERS ROBERT یکم دسمبر ۱۷۸۳ء کو اُڑے۔

۱۷۸۵ء میں بلینچارڈ BLENCHARD نے رود بار انگلستان کو عبور کیا۔ بعد ازاں ۱۸۳۰ء تک اِس امر کے متعلق کوئی قابلِ ذکر واقعہ ظہور میں نہیں آیا۔ اور نہ فن ہوائی جہاز رانی ہی میں کوئی نمایاں ترقی ظاہر ہوئی۔

۱۸۳۶ء میں ایک بہت بڑے غبارے کے ذریعے جس میں پچاسی ہزار فٹ گیس بھری ہوئی تھی۔ دوبارہ رود بار انگلستان کو عبور کیا گیا۔ ۱۸۶۳ء میں پیرس کے فوٹو گرافر نے اس سے بھی بڑا غبارہ تیار کیا۔ اِس میں دو لاکھ فٹ گیس بھرا گیا تھا۔ اور یہ تیرہ سواریوں کو لے سکتا تھا۔

بعد ازاں وقتاً فوقتاً اسی قسم کی کلوں میں بہت سی اصلاحیں ہوگئیں۔ سب سے پہلے مسٹر گفرڈ Mr. GIFFORD نے ایسا غبارہ تیار کیا۔ جو حسبِ مرضی اُڑایا جا سکتا تھا۔ یہ غبارہ ایک سو چودہ فٹ لمبا تھا۔ اور درمیان میں اس کا قطر انتالیس فٹ تھا۔ اِس کی شکل سگار سے بہت کچھ ملتی جلتی تھی۔ چلانے کے لئے بھاپ کا ایک انجن اس میں لگایا گیا تھا۔

اِس کے بعد موجدوں نے وقتاً فوقتاً مختلف قسم کی کلیں ایجاد کیں۔ کوئی اپنی کلوں کو ہاتھ پاؤں کے زور سے چلاتے تھے۔ اور کوئی بجلی کی طاقت کا استعمال کرتے تھے۔ لیکن اب محض مٹی کے تیل کا انجن ہی اس کام کے لئے موزوں خیال کیا گیا ہے۔

ساخت اور بناوٹ

اب غباروں کی ساخت کا حال سُن لیجئے گیس سے بھری ہوئی تھیلی کو ہی غبارہ کہتے ہیں۔ جس طرح کشتی پانی میں تیرتی رہتی ہے۔ اِسی طرح یہ گیس سے بھری ہوئی تھیلی ہوا میں تیرتی ہے۔ اسی معمولی غبارہ کو جال میں بھر کر اس کے نیچے سواریوں کو بیٹھنے کے لئے ایک ٹوکری یا کوئی گاڑی نما چیز لٹکا کر بیلون بنائے جاتے ہیں۔

غبارہ نما جہاز میں مٹی کے تیل کا ایک انجن بھی لگا رہتا ہے۔ معمولی غبارہ اور غبارہ نما جہاز میں اتنا فرق ہے۔ کہ غبارہ جہاں چاہے چلا جاتا ہے۔ لیکن غبارہ نما جہاز کو اُڑانیوالا انجن کی مدد سے جدھر چاہے لیجا سکتا ہے۔ اور حسبِ ضرورت نیچے اُوپر چڑھا اُتار سکتا ہے۔

ایوی ایشن (AVIATION) نام کی ایک مفید انگریزی زبان کی کتاب میں غبارہ نما جہازوں کو چلانے۔ دائیں بائیں طرف گھماتے پھرانے اور اُوپر نیچے اُتارنے۔ چڑھانے کے نہایت ہی عمدہ اور مشرح طریقے مندرج ہیں۔ اِس لئے اپنے ناظرین کی واقفیت اور دلچسپی کے لئے اس کتاب کا ایک حصّہ کا خلاصہ نیچے درج کیا جاتا ہے۔

جس طرح پتوار کی مدد سے کشتی دائیں بائیں طرف گھمائی یا چلائی جا سکتی ہے۔ اسی طرح سے غبارہ نما جہاز بھی پتوار کی مدد سے گھمایا چلایا جا سکتا ہے۔ غبارہ نما جہاز کی پتوار مقابلتاً بڑی ہوتی ہے۔ اور کینوس یا اسی قسم کی کسی دوسری چیز سے تیار کی جاتی ہے۔ کشتی اور غبارہ نما جہاز کی پتوار میں صرف اتنا ہی فرق ہے۔ کہ اگر کشتی کو داہنی طرف کرنا ہو تو پتوار کو بائیں طرف کر دیتے ہیں۔ لیکن غبارہ نما جہاز کا یہ قاعدہ نہیں ہے۔ اگر اسے دائیں طرف گھمانا ہو تو پتوار کو دائیں طرف اور اگر اسے بائیں طرف گھمانا ہو تو پتوار کو بائیں طرف کرینگے۔

غبارہ نما جہاز کو اُوپر چڑھانے یا نیچے اُتارنے کے صرف دو ہی طریقے ہیں۔ ایک تو جس کونہ یا زاویہ پر پنکھا گھومتا ہو اِس میں تبدیلی کر کے اور دوسرے پتوار کی مدد سے۔ غبارہ کو ہوا میں چلانے والا انجن دو دیا اِس سے زیادہ پنکھوں کو تیزی سے ہوا میں گھمانے کا کام دیتا ہے۔

یہ پنکھے عموماً دوہی ہوتے ہیں۔ اس کی پتیاں معمولی کل والے پنکھے کی پتیوں سے زیادہ لمبی چوڑی اور مضبوط ہوتی ہیں۔ جب غبارہ کو سیدھ میں لے جانا ہوتا ہے۔ تو گھومنے والے پنکھے کو درمیان میں لاکر غبارہ کے متوازی کھڑا کر دیتے ہیں۔ لیکن جب اسے اُوپر یا نیچے لیجانا ہوتا ہے۔ تو پنکھے کو آگے یا پیچھے لے جاکر ایک کونہ پر کر دیا جاتا ہے۔ یعنے اگر پنکھے کو پیچھے کی طرف ہٹا دیں۔ تو غبارہ کا سرا نیچے کی طرف ہو جاویگا۔ اور اگر ان کو آگے کی طرف بڑھا دیں۔ تو غبارہ اُوپر چڑھنے لگے گا۔

آبدوز کشتی اور غبارے کی آڑی پتوار میں جہاز کے دونو سروں پر ایک چوکھٹا ہوتا ہے۔ جس پر (CANVAS) یا اسی قسم کی کوئی اور شے مڑھی ہوتی ہے۔ یہ پتوار اس طرح جڑی ہوتی ہے۔ کہ اگر وہ ذرا سی ٹیڑھی ہوکر اُوپر نیچے کی طرف دبے۔ تو اُس میں ہوا ٹکرانے لگتی ہے۔ اگر اس آڑی پتوار کا اگلا حصہ نیچے کی طرف دبایا جائے۔ تو غبارہ نیچے کی طرف اُترنے لگتا ہے۔ اور اگر اگلا حصہ پتوار کا ذرا اُوپر دبایا جائے تو غبارہ بھی اُوپر کی طرف چڑھنے لگتا ہے۔ پنکھے دائیں یا بائیں طرف گھمانے والی پتوار۔ اُوپر یا نیچے لے جانے والی آڑی پتوار اور ان سب کو چلانے کے ایک پیٹرول انجن ہو تو جہاز چلانے والا اُس پر پورا قبضہ جماکر اُسے جس طرح چاہے لے جا سکتا ہے۔

اِس جگہ ایک اور بات بھی بتلا دینا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ گرمی یا سردی پا کر گیس پھیلتی یا سکڑتی ہے۔ اور غبارہ کے چلانے پر اس کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ اگر غبارہ دوپہر کے وقت بہت اُونچے آسمان پر چڑھ جائے۔ تو اُس کے گیس کے ذخیرہ پر زیادہ گرمی پڑنے سے اندر کی گیس بہت زیادہ پھیلنے لگیگی۔ اور اگر اس میں سے کچھ گیس باہر خارج نہ کی جاوے۔ تو گیس کا خزانہ ضرور پھٹ جائیگا۔ اِس دِقت کو دُور کرنے کے لئے غبارہ میں کمانی دار ڈھکنے ہوتے ہیں۔ جو صرف اندر کی گیس بڑھ جانے پر اُوپر کی طرف کھلتے ہیں۔ جن کے ذریعہ اندر کی طرف بڑھنے والی گیس تو باہر نکل سکتی ہے۔ اور باہر کی معمولی ہوا اندر داخل نہیں ہوسکتی۔ اب اگر کچھ دیر تک دُھوپ

ہیں رہنے کے بعد غبارہ سایہ یا بادل میں پہنچ جائے۔ تو گیس سکڑنے لگیگی۔ اس کو مدنظر رکھ کر گیس کی تھیلی کے اندر ایک اور چھوٹی سی تھیلی لگائی جاتی ہے۔ جس میں معمولی ہوا رہتی ہے۔ بڑے غباروں میں اس قسم کی کئی تھیلیاں ہوتی ہیں۔ عام حالت میں اس تھیلی کی ایک خاص شکل ہوتی ہے۔ اور ایک خاص انداز کی ہوا ان میں بھری رہتی ہے۔ جب غبارہ دھوپ میں چلتا ہے۔ اور اس سے گیس یا ہائیڈروجن پھیلنے لگتی ہے۔ تو اندرونی چھوٹی تھیلی میں سے کمانی دار ڈھکنے کی راہ سے ہوا نکال دیتے ہیں۔ جس سے چھوٹی تھیلی خالی ہوکر بالکل چھوٹی ہو جاتی ہے۔ اور پھیلنے والی گیس کو پھیلنے میں اور بھی مدد ملتی ہے۔ جب غبارہ نیچے کی طرف اُترتا یا ٹھنڈی جگہ میں جاتا ہے۔ اور گیس سکڑنے لگتی ہے۔ تو اندر والی چھوٹی تھیلیوں میں پنکھے کی مدد سے ہوا بھری جاتی ہے۔ جس سے وہ تھیلیاں بڑھ جاتی ہیں۔ اور گیس کے خالی ہو جانے کی وجہ سے جو جگہ خالی ہوتی ہے۔ وہ اُسے بھر دیتی ہے۔ یہ پنکھا یا تو انجن سے یا ہوا میں غباروں میں چلانے والے پنکھوں میں سے کسی ایک کی مدد سے چلایا جاتا ہے۔ بڑے بڑے غباروں میں گھٹنے بڑھنے والی تھیلیوں کی تعداد کے مطابق ہی ان میں ہوا بھرنے والے پنکھے بھی رہتے ہیں۔

غبارہ نما جہازوں کی قسمیں

غبارہ نما جہاز عام طور پر تین قسم کے ہوتے ہیں۔ (۱) ٹھوس (۲) نصف ٹھوس (۳) لچکدار۔

(۱) ٹھوس[1] جہاز

ان میں وہ حصہ جس میں گیس بھرا رہتا ہے۔ ٹھوس چیزوں مثلاً لکڑی یا دھات کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ گیس چاہے رہے یا نہ رہے۔ لیکن اس قسم کے جہازوں کی شکل بالکل تبدیل نہیں ہوتی۔ ہمیشہ ایک ہی طرح کی رہتی ہے۔ جرمنی کا مشہور جہاز زیپلن ZEPPELINE اسی طرح کا جہاز ہے۔ یہ تقریباً چار سو پچاس فٹ لمبا ہوتا ہے۔ اُس کے اندر کبھی سکڑنے والی گیس بھرنے کے لئے سترہ خانہ ہوتے ہیں۔ یہ خانے المونیم دھات کے خول سے ڈھکے رہتے ہیں۔ اور ان کا آپس میں ایک دوسرے سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ اس کے نیچے بیس بیس فٹ لمبی اور

1. RIGID

چھ چھ فٹ چوڑی کشتی کی شکل کی دو گاڑیاں لگی رہتی ہیں۔ ان دونو گاڑیوں کے نیچے ایکسو دس گھوڑوں کی طاقت کا ایک انجن لگا رہتا ہے۔ زیپلن پینتیس ہزار پونڈ وزن لے جا سکتا ہے۔ اور اس کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ اندرونی دباؤ کم ہونے پر بھی اس میں سے گرنے کا خوف نہیں ہوتا۔

(۲) نصف ٹھوس

ان کا غبارہ والا حصّہ لچکدار ہوتا ہے۔ اور سواری بیٹھنے والا حصّہ ٹھوس۔ اسی وجہ سے ان کو نصف ٹھوس جہاز کہا جاتا ہے۔ ان میں ایک لاکھ ستائیس ہزار ایک سو (۱۲۷۱۰۰) فٹ گیس سما سکتی ہے۔ عام طور پر یہ اٹھاون گھوڑوں والے انجن کی طاقت سے چلائے جاتے ہیں۔

(۳) لچکدار جہاز

یہ سگار کی شکل کے تمام غبارہ ہوتے ہیں۔ ان کا سارا حصّہ بالکل لچکدار ہوتا ہے۔ گیس کے خانہ میں اکیس ہزار ایک سو ستانوے فٹ گیس سما سکتی ہے۔ عام طور پر یہ ایک سو دس فٹ سے لمبے ہوتے ہیں۔ اور ستر گھوڑوں والے انجن کی طاقت سے چلائے جا سکتے ہیں۔

(۴) ہوا سے بھاری جہاز یعنی ایرو پلین

۱۸۶۷ء سے بہت سے سائنسدانوں کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی ہے۔ امریکہ کے پروفیسر لینگلے اور سر ہیرم میکسم نے اس کے متعلق بہت تجربے کئے لیکن کامیابی صرف لیلنتھل برادرز اور امریکہ کے رائٹ برادرز کو حاصل ہوئی۔ سب سے پہلے رائٹ برادرز ۱۹۰۵ء میں امریکہ میں اپنے ہی بنائے ہوئے بائی پلینس (BIPLANES) سے اُڑے۔ اور ۱۹۰۶ء میں ہنری فارمن نے ایک بائی پلینس بنایا۔ جو آدھ میل اُڑا تھا۔

ماہ ستمبر ۱۹۰۸ء میں آرول رائٹ امریکہ میں ساٹھ میل تک اُڑا۔ انہیں دنوں میں اس کے بھائی ولبرٹ رائٹ کو فرانس میں ہوائی جہاز کے صلہ میں بیس ہزار پونڈ کا انعام ملا۔ ۱۹۰۹ء میں مانو پلینس بنائے گئے۔ لندن کے مشہور اخبار ڈیلی میل نے دو ہزار پونڈ اس شخص کو انعام دینے کا اعلان کیا۔ جو سب سے پہلے رود بار انگلستان کو عبور کر جائے۔

(SEMI RIGID

ماہ جولائی میں یہ انعام بلیریٹ کو ملا۔ اس وقت سے لیکر اب تک مونوپلینس[1] کی ساخت اور بناوٹ میں نمایاں ترقی ہوگئی ہے۔ ایروپلین کے متعلق بہت سی سوسائٹیاں اور نمائشیں قائم ہوچکی ہیں۔ بہت سے ایروڈرومس[2] بھی قائم کیے جاچکے ہیں۔ ہر ایک ایروڈروموس کے ساتھ ساتھ ایک ایک فلائنگ سکول (مدرسہ پرواز) بھی کھلے۔ اب پھر ڈیلی میل نے لندن سے مانچسٹر تک صرف ایک پڑاؤ ڈالکر اڑنے کے لئے دس ہزار روپیہ کا انعام مقرر کیا۔ مقابلہ کی دوڑ ۲۷ اپریل سنہ ۱۹۱۰ء کو ہوئی جس میں فرانس کا مشہور ہوائی جہازران پالہن اور ایک انگریز جن کا نام گرم وہایٹ تھا۔ اڑے۔ انعام پالہن کو ملا۔ کچھ دنوں بعد پھر لندن میل نے برٹن کا چکر کاٹنے کے لئے دس ہزار پونڈ کا اعلان کیا۔ جولائی سنہ ۱۹۱۱ء میں لنڈن کی رائل ایروکلب کی زیر نگرانی دوڑ ہوئی۔ اور مفصلہ ذیل راستہ مقرر کیا گیا تھا۔

بروکینڈ سے ہینڈن۔ ہینڈن سے ہیروگریٹ۔ نیوکاسل۔ آن ٹائن۔ ایڈنبرا۔ سٹرلنگ گلاسکو۔ کارسلی مانچسٹر۔ برسٹل۔ ایکسٹھ۔ برائیٹینس۔ لوربرائیٹینس سے پھر بروک لینڈ۔ سترہ اشخاص اس دوڑ میں شامل ہوئے تھے۔ لیکن انعام لفٹیننٹ نے جیتا۔

اس کے بعد یورپ کے چکر کئے گئے۔ اور پیرس سے روم۔ پیرس سے میڈرڈ۔ پیرس سے پیکن امریکہ کا چکر وغیرہ بہت سی دوڑیں ہوئیں۔

ایروپلین میں زیادہ ترقی دس سالوں کے اندر ہی ہوئی ہے۔ پہلے اڑنے والے لوگ ہوا میں چند منٹ ہی ٹھیر سکتے تھے لیکن اب گھنٹوں بلکہ پہروں تک ٹھہر سکتے ہیں۔

شروع شروع میں پچاس یا تیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑنا کافی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اس رفتار پر بڑی جلدی ترقی ہوگئی۔ تھوڑے ہی عرصے میں آدمی اسّی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑنے لگے۔ اور اب تو بہت ترقی ہوگئی ہے۔ چند روز کا ذکر ہے کہ بڑا سفر ایک سو چالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے طے کیا گیا تھا۔ اس ایروپلین میں دو سو ساٹھ گھوڑوں کی طاقت کا انجن لگا ہوا تھا۔ جب پانی میں چلنے والے جہازوں کی طرح ہوائی جہازوں میں ہزاروں ڈھنڈول

1. monoplanes. 2. Aerodromes

کی طاقت کے انجن لگائے جائینگے۔ تو ایک ہی ہوائی جہاز میں چار پانچ سو آدمی بیٹھکر سینکڑوں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بڑے بڑے سفر کر سکینگے۔ جس طرح انگلستان کے لوگ آجکل سنیچر کی شام کو چلکر پیرس یا سکاٹ لینڈ کی سیر کرکے سوموار کی صبح کو اپنے گھر واپس آجاتے ہیں۔ اسی طرح امریکہ کی سیر بھی کر لیا کرینگے۔ سنیچر کی شام کو لنڈن سے ہوائی جہاز میں سوار ہوکر اتوار کی صبح کو نیویارک میں جا پہنچینگے۔ اور دن بھر سیر کرکے سوموار کی صبح کو لنڈن واپس آ پہنچینگے۔

اب ہم ہوائی جہازوں کی بناوٹ اور اُن کے مختلف اقسام کا ذکر کرینگے۔

باکس کایٹ

پتنگوں اور چڑیوں کو ہوا میں اُڑتے دیکھکر سائنسدانوں کی توجہ ہوا میں اُڑنے والی مشینوں کے تیار کرنے کی طرف مبذول ہوئی تھی۔ لیلینتھل نے پتنگ کے نمونہ ہی پر باکس کایٹ بنایا۔ باکس کایٹ بالعموم دو چپٹے تختوں کا ( ) بنایا گیا تھا۔ جو اس ترکیب سے بنائے جاتے ہیں۔ کہ ان کے بیچ میں سے ہوا کا گذر ہو سکے۔ یہ نیچے کی طرف کچھ جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ اِسی واسطے آپس کے دباؤ سے ایک دوسرے کو سہارا دے سکتے تھے۔ اوپر کا وزن سنبھال سکتے تھے۔ تختے اُوپر کی طرف زیادہ موٹے ہوتے ہیں۔ اور پچھلے حصّہ کی طرف بتدریج کم موٹے ہوتے جاتے تھے۔ درحقیقت وہ چڑیا کے پردوں کی مانند ہوتے تھے۔ لہذا آیندہ ہم بجائے پلین یا تختہ کے لفظ پر ہی استعمال کرینگے۔

پتنگ اُسی وقت اُڑتا ہے۔ جس وقت ہوا تیز ہوتی ہے۔ جتنی ہوا تیز ہوتی ہے۔ وہ اُتنا ہی اچھا اُڑتا ہے۔ اور اس کا تھامنا بھی اسی قدر مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح باکس کایٹ بھی ہوا تیز ہونے پر اُوپر اُٹھتے تھے۔ اور اس کے بند ہو جانے پر گر پڑتے تھے۔ لیلینتھل ہوا تیز ہو جانے کی وجہ سے مشین کے اُلٹ جانے سے گر پڑا اور مر گیا تھا۔

(باقیدارد)

1. BOX KITE

تضمین

(مولانا ابوالحسن صدیقی بدایونی)

کچھ شک نہیں کہ حضرتِ واعظ ہیں خوب شخص
علامۂ زماں ہیں بڑے فیلسوف ہیں
ذاتِ شریف آپ کی مستجمع صفات
یہ اور بات ہے کہ ذرا بیوقوف ہیں

پردہ اُٹھتا ہے ترقی کے یہ سامان تو ہیں
گو نتیجہ ابھی حاصل نہیں ارمان تو ہیں
ایک دن خلد کا دکھلائیگا جلوہ کالج
کبھی حوریں بھی پہنچ جائیں گی غلمان تو ہیں

پھریں اس ووٹ کی خاطر کہانتک در بدر مارے
پڑے کب تک امید و یاس میں یوں جاں بلب ہونا
خدایا فضل کر اپنا کلکٹر نامزد کر دیں
بہت مشکل ہے پبلک کی طرف سے منتخب ہونا

کلامِ آرزو

(جناب سید انور حسین آرزو لکھنوی جانشین جلال مرحوم)

آرام کے تھے ساتھی کیا کیا۔ جب وقت پڑا تھا کوئی نہیں
سب دوست ہیں اپنے مطلب کے دُنیا میں کسی کا کوئی نہیں

جو باغ تھا کل پھولوں سے بھرا۔ اٹکھیلیوں سے چلتی تھی صبا
اب سنبل و گل کا ذکر تو کیا خاک اُڑتی ہے اُس جا کوئی نہیں

آئینہ و ساغر پر باہم۔ حیرت میں ہے دل آنکھیں پُر نم
یاد آتے ہیں اسکندر و جم۔ اب محوِ تماشا کوئی نہیں

ہر ایک نمایش کو دیکھا۔ جھپکی جو پلک کچھ بھی تو نہ تھا
ہستی ہے حبابِ بحرِ فنا۔ اس دم کا بھروسا کوئی نہیں

بیٹھے ہیں کہاں اہل مسند۔ آغاز وہ نیک انجام یہ بد
یا بزمِ طرب۔ یا کنجِ لحد یا وہ مجمع۔ یا کوئی نہیں

کل جن کو اندھیرے سے تھا حذر۔ رہتا تھا چراغاں پیش نظر
اِک شمع جلادے تربت پر جز داغ اب اتنا کوئی نہیں

قتالِ جہاں معشوق جو تھے۔ سونے ہیں پڑے مرقد اُنکے
یا مرنے والے لاکھوں تھے یا رونے والا کوئی نہیں

اے آرزو اب تک اتنا پتہ چلتا ہے تری بربادی کا
جس سے نہ بگولے ہوں پیدا۔ اس طرح کا صحرا کوئی نہیں

صحت پر تخیّل کا اثر

"تخیل دُنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے" نپولین اعظم

تھوڑا عرصہ گذرا کہ ناظرین مخزن کے سامنے ہم نے ایک مضمون "صحت اور قوت ارادی" پیش کیا تھا۔ ذیل کا مضمون اصل میں اُسی پہلے مضمون کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ قوت ارادی کے ذریعے بیماری پر فتح پانے کے لئے ہم کو خیال کی بے نظیر طاقت کام میں لانی پڑتی ہے۔ آج ہم یہ دیکھینگے۔ کہ کس طرح انسان مختلف خیالات کے زیر اثر رہ کر اپنی صحت پر مختلف اثر ڈال سکتا ہے۔

چند دن کا ذکر ہے۔ کہ ایک پادری ہسپتال میں لایا گیا۔ اُس کی حالت اس قدر ردّی تھی۔ کہ وہ بستر پر سے اپنا سر بھی نہیں اُٹھا سکتا۔ اس کا بیان تھا۔ کہ اُس نے اپنے مصنوعی دانت غلطی سے نگل لئے تھے۔ جس کی وجہ سے اُس کے معدے اور انتڑیوں میں شدت کا درد پیدا ہو گیا۔ ڈاکٹر نے اُس کے دماغ سے اس خیال کو دفع کرنے کی بے حد کوشش کی لیکن بالکل بے سود۔ مریض کا حال ابتر ہوتا گیا۔ اور سب علاج اُلٹے پڑنے لگے ....

تھوڑی دیر بعد پادری کو اپنی بیوی کا ایک تار ملا۔ کہ تمہارے مصنوعی دانت تمہارے تکیہ کے نیچے رکھے ہُوئے مل گئے ہیں"۔ پادری صاحب تار پڑھ کھسیانے اور ناراض تو بہت ہوئے۔ کہ خواہ مخواہ اُنھوں نے اپنے تئیں بیوقوف ثابت کیا۔ لیکن اب جب کہ اِن کی خیالی تکلیف دُور ہو چکی تھی۔ وہ بستر مرگ پر سے اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ کپڑے تبدیل کئے۔ فیس ادا کی اور چنگے بھلے ہو کر گھر کا راستہ لیا!!

جب تک کہ پادری کو یقین تھا کہ مصنوعی دانت اُس کے معدے کے اندر موجود ہیں۔ تمام دُنیا کے ڈاکٹر اس کی تکلیف کو فرضی نہ ثابت کر سکتے تھے۔ پہلے پادری کے خیال کو بدلنا ضروری تھا۔

ڈاکٹروں کی رائے ہے۔ کہ متعدی امراض کا اثر انسان کی ذہنی حالت پر منحصر ہے۔ اور یہ بہت ممکن ہے۔ کہ ایک غیر معمولی طور پر مصروف آدمی خطرناک مریضوں کے درمیان رہ کر بھی کوئی نقصان نہ اُٹھائے۔ جب تخیّل کو بیماری کی طرف رجوع کرنے کا موقعہ ہی نہ ملے گا۔ تو اس کا اثر بدن پر کیسے ظاہر ہو سکتا ہے؟

ایک انگریز افسر جو ہندوستان میں کام کرتا تھا۔ شدت گرمی اور کام کی زیادتی سے اعصابی کمزوری محسوس کرنے لگا۔ چنانچہ اُس نے ایک مشہور ڈاکٹر سے اپنی صحت کے متعلق مشورہ کیا۔ ڈاکٹر نے اس کا ملاحظہ کیا۔ اور کہا کہ مفصل ہدایات میں کل بذریعہ ڈاک تمہارے پاس بھیجدونگا۔ دوسرے دن جو خط مریض کو ملا۔ اُس میں لکھا تھا۔ کہ تمہارا بایاں پھیپھڑا بالکل جاتا رہا ہے۔ اور دل بہت زیادہ کمزور ہو گیا ہے۔ اِس لئے بہتر ہے کہ تم اپنے دُنیاوی معاملات کا جلدی کوئی انتظام کرلو۔ کچھ عجب نہیں کہ تم کئی ہفتے اور زندہ رہو۔ لیکن مناسب یہی ہے۔ کہ اپنے ضروری معاملات کو نظر انداز نہ کرو!!

لازم تھا کہ اس عزرائیلی حکم سے مریض کی حالت دگرگوں ہو جاوے۔ چنانچہ ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر اس کی بیماری اسقدر زور پکڑ گئی۔ کہ اسے سانس لینا بھی دشوار ہو گیا۔ اور دل کے قریب درد شروع ہو گیا۔ بھلا چنگا آدمی بسترِ مرگ پر پڑ گیا۔ رات کو حالت بالکل ابتر تھی۔ اور ڈاکٹر کو بلانا ضروری سمجھا گیا۔ جس وقت ڈاکٹر آیا۔ اُس وقت مریض کی حالت بہت بگڑ چکی تھی۔ ڈاکٹر نے حیران ہو کر پُوچھا۔ کہ کل جس وقت میں آپ کو دیکھنے آیا تھا۔ اُس وقت تو اِس خوفناک بیماری کی کوئی علامت موجود نہ تھی۔ مریض نے کمزور آواز میں جواب دیا کہ میرے دل میں کوئی فتور واقع ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر پہلے سے زیادہ حیران ہو کر کہنے لگا۔ کہ کل تک تو آپ کا دل بالکل درست تھا۔

"تو شاید میرے پھیپھڑے میں کوئی نقص ہو" مریض نے نہایت کمزور آواز میں یہ فقرہ کہا۔ ڈاکٹر اب بالکل بے بس ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ کیا آپ کوئی منشّی چیز تو نہیں پی گئے

جو ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ مریض نے مشکل سے سانس لیتے ہوئے کہا۔ کہ آپ کے خط میں بھی تو یہی لکھا تھا۔ کہ میری زندگی کا پیالہ لبریز ہو چکا۔ ڈاکٹر جو اس وقت ایک تصویر حیرت بنا کھڑا تھا۔ ذرا اُونچی آواز میں بولا۔ کہ آپ ہوش میں تو ہیں " میں نے تو آپکو یہ لکھا تھا کہ ایک ہفتہ کے لئے پہاڑ پر چلے جاؤ۔ انشاءاللہ کامل صحت ہو جائیگی۔ مریض کے چہرے پر اسوقت مردنی چھائی ہوئی تھی۔ اور وہ تکیہ پر سے مشکل سے اپنا سر اُٹھا سکتا تھا۔ تاہم اُسنے انتہائی کوشش سے کام لے کر تکیہ کے نیچے سے ڈاکٹر کا خط نکال کر اُسے دیا۔ اس خط کو پڑھ کر ڈاکٹر کو اصلیت معلوم ہوئی اور اُس نے کہا کہ یہ خط تو ایک اور مریض کے واسطے تھا۔ کلرک کی غلطی کی وجہ سے خطوط آپس میں تبدیل ہو گئے۔ اور اسے یہ خط مل گیا۔ نوجوان افسر میں اسی انکشاف سے اسقدر طاقت آگئی۔ کہ وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور چند دن کے بعد بالکل بھلا چنگا تھا۔

اسی طرح کی کئی اور مثالیں روزمرّہ زندگی میں آپ کو نظر آئینگی۔ جہاں لوگ محض خیالی بیماریوں کا شکار ہو گئے۔ اور ان کا تخیّل اپنی بیماریوں کے متعلق اسقدر بڑھ گیا۔ کہ آخر میں وہم کی حالت پر پہنچکر مہلک ثابت ہوا۔ لندن کے ایک مشہور طبی رسالہ میں ایک دفعہ ذیل کا واقعہ شائع ہوا تھا۔

میں نے ایک مضبوط ورزشی نوجوان کو دیکھا ہے۔ جو کہ ایک ناگہانی حادثہ کے صدمہ سے اسقدر ناطاقت ہو گیا۔ کہ آدھ سیر بوجھ نہ اُٹھا سکتا تھا۔ وہ بالکل ایک طفل شیر خوار کی طرح کمزور ہو گیا تھا۔ اور لُطف یہ کہ کوئی چیز اُسے چھُو کر نہ گئی تھی۔ صرف ایک خوف دلانے والا خیال تھا۔ جو بجلی کی طرح آیا۔ اپنا کام کیا اور دیو ہیکل نوجوان کو بے بس بنا دیا۔

معتبر طبیبوں کے بیان سے معلوم ہوا ہے۔ کہ ایسے مریض جو کلورافارم سے بہت ڈرتے تھے۔ اس دوائی کے سنگھانے سے پیشتر ہی بیہوش ہو جاتے تھے۔ اور بیہوشی محض ان کے خیال کا نتیجہ تھی۔

ایک نہایت مشہور ڈاکٹر ایک دفعہ مچھلی کے شکار کو گئے۔ وہاں اِن کو ایک مریض کو دیکھنا پڑا۔ جو کہ شدت درد سے بے قرار تھا۔ ڈاکٹر کے پاس اُس وقت کوئی دوائی موجود نہ تھی۔ لیکن اُس نے کمال ہوشیاری سے معمولی آٹے کی چند پُڑیاں بنا کر مریض کو دیں۔ اور ہدایت کی۔ کہ اِن کو نہایت احتیاط سے وقت مقررہ پر استعمال کیا جائے۔ مریض کو بتایا گیا تھا۔ کہ اس کا معالج ایک مشہور ڈاکٹر ہے۔ اور کہ درد کے واسطے اُس کی تجویز کردہ دوا اکسیر ثابت ہو چکی ہے۔ اس خیال اور اس کے علاج پر اعتقاد نے مریض کی حالت بدل دی۔ چنانچہ وہ کہنے لگا۔ کہ مَیں دوائی کا اثر سارے بدن میں محسوس کرتا ہوں۔ آردِ گندم اور تخیّل نے کام نکال لیا!!

بیماری جانے سے پہلے خیال بیماری رفع ہونا چاہیئے۔ جس وقت اس سے نجات مل گئی جسم میں خود بخود توانائی آجائیگی۔

تھوڑا عرصہ ہوا۔ مَیں نے ایک نوجوان لڑکی کے متعلق ایک دلچسپ لطیفہ پڑھا۔ وہ اپنے منگیتر کے ساتھ تھیٹر میں بیٹھی تھی۔ کہ یک لخت اُس کی طبیعت بگڑ گئی۔ اس کا منگیتر (جو ایک نوجوان ڈاکٹر تھا) یہ حالت دیکھکر گھبرایا۔ لیکن آدمی ہوشیار تھا۔ اپنی جیب میں سے دوائی کی ٹکیہ نکالی اور اُسے دے کر کہا۔ کہ اسے اپنے منہ میں رکھ لو۔ مگر نگلنا مت۔ لڑکی نے ایسا ہی کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُسے افاقہ معلوم ہُوا۔ گھر آکر اُسے اِس عجیب ٹکیہ کے دیکھنے کا اشتیاق ہُوا۔ (جو اگرچہ مُنہ میں حل نہ ہوتی تھی۔ تاہم بے حد مفید ثابت ہوتی تھی) چنانچہ اس نے ٹکیہ مُنہ میں سے نکالی۔ اور اُسے بغور دیکھا۔ کیا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ وہ ٹکیہ کیا تھی؟ ایک چھوٹا بٹن!!

تاریخ طب سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ہزاروں آدمی محض اپنے خیالات کی وجہ سے موت کا شکار ہوتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے دل میں یقین کر لیا۔ کہ وہ کسی خوفناک بیماری میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ ایسی بیماریوں کی کوئی اصلیت ہی نہ تھی۔ ان کی یہ تکلیف جسمانی نہ تھی

بلکہ رُوحانی۔

ایک مکان میں دو شخصوں کو ٹھیرنے کا اتفاق ہوا۔ جہاں پہلے ایک آدمی ہیضہ کا شکار ہو چکا تھا۔ نو واردوں میں سے ایک (جسے اس واقع کا کچھ علم نہ تھا) تو اس کمرہ میں سویا۔ جہاں موت واقع ہوئی تھی۔ اس نے رات آرام سے کاٹی۔ دوسرے نے (جسے غلطی سے یہ بتایا گیا تھا۔ کہ جس کمرے میں وہ سویا ہے۔ وہاں ہیضہ کے مریض نے جان دی تھی) تمام رات تکلیف میں اور سوچنے میں کاٹی۔ پہلی موت کو پیش نظر رکھا۔ یہانتک کہ وہ خود اس مرض میں مبتلا ہو گیا۔ اور بالآخر جان دی۔

ہم یہ باتیں پڑھتے ہیں۔ سُنتے ہیں۔ ایسے واقعات خود مشاہدہ کرتے ہیں۔ لیکن ہم نہیں سمجھتے کہ ہمارے خیالات کی رو اور ہمارا ہر وقت کی بیماری کا تصوّر ایک نہ ایک دن ہم کو بھی ایسے مضر اثرات میں پیش کریگا۔

کسی نہ کسی وقت ہم سب اپنے خیالات کا خمیازہ اٹھاتے ہیں۔ بہ یقین باطل کہ ہم کسی لاعلاج۔ متعدی۔ اور خوفناک مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ آخر اپنا رنگ لاتا ہے۔ یہ تمام اعضا پر اپنا مضر اثر ڈالتا ہے۔ دل اور دماغ صحیح طور پر کام کرنے سے رُک جاتے ہیں ہمارے خیالات بڑھتے بڑھتے ایک مستقل بیماری کی صورت پکڑ جاتے ہیں۔ اعصابی کمزوری واقع ہوتی ہے۔ اور ہم خود پیدا کردہ بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں !!

نذیر احمد خاں بی۔ ایس سی

رُباعی

دونوں یکساں ہیں جب زمانہ چھوٹا　　جب بھی نہ چھوٹا کہ خزانہ چھوٹا
بربادیٔ خاشاک سے کیا کام اُسے　　جس مرغِ چمن سے آشیانہ چھوٹا

آرزو لکھنوی

کلام قیصر

(شمشیر قدر نواب سید امجد علی خاں بہادر قیصر رئیس اعظم لکھنوی مصنف تاج سخن)

فطرت ہے نئی کہتی ہے یہ عقل بشر کی
کب ہے فلک نیلوفری حد ہے نظر کی

چوٹیں سہیں اُس تیغِ ادا تیرِ نظر کی
وہ کون ہم ہے جو نہیں عشق میں سر کی

اے رشک مری لاش پہ کہتے ہیں وہ آکر
زندہ رہے جس نے ترے مرنیکی خبر کی

لاغر ہوں جنوں ریگِ بیاباں پہ نہ دوڑا
لے دیکھ زمیں پاؤں کے نیچے سے وہ سرکی

سُن سُنکے وہ تقریر کھنچا جاتا ہے یہ دل
ہر بات میں تاثیر ہے ہر لفظ اثر کی

اُس زلف کی خوشبو تو صبا لے ہے اُڑائی
رہنا ہے جدھر غیر ہوا ہو نہ اودھر کی

دیکھے تو اُداسی در و دیوار کی کوئی
ساتھ اپنے وہ لیتے گئے رونق مرے گھر کی

دل میرا دُکھانے کا عجب طرز نکالا
ہر بات پہ کھاتے ہو قسم غیر کے سر کی

زلف آپکی ہے یا شب دیجور کا نقشہ
رُخ آپ کا ہے یا کہ ہے تصویر سحر کی

کچھ ہوش اُسے اپنا نہ رہا بزم میں قیصر
مے پی کے مرے مست نے جس جس پہ نظر کی

سلکِ مروارید

عمرطویل کی تمنا میں جینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تو اعتدال سے زندگی بسر کرے (مسترو)

اِس بات کا خیال بھی ترک کر دے کہ خدائی فیصلے رفتار زمانہ کے ساتھ بدلتے جائینگے۔ ورجل

جسم کی اصلی قدر و قیمت کا اندازہ صحیح دماغ سے لگ سکتا ہے۔ شیکسپیر

بڑھاپے کا پنجہ اُجڑے ہُوئے نخل شباب پر اس طرح جا پڑتا ہے۔ جیسے آگ کسی بوسیدہ مکان کو آن واحد میں جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہے۔ ساؤتھ

اگر تو اپنے ارادوں میں کامیاب ہونا چاہتا ہے۔ تو اپنی روش مشیتِ قدرت کے عین مطابق بنالے۔ سڈنی سمتھ

جس گھر میں نفاق ہو اس کی بُنیاد ریت پر ہے۔ "

ایک کمزور حکمران مفید قوانین پر بھی کاربند نہیں ہوتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسکی مملکت میں بدامنی اور بدعہدی کا راج قائم ہوجاتا ہے۔ "

زمانے بھر کی برکات اس شخص پر نازل ہوتی ہیں۔ جو مآل اندیش ہو۔ تہورو

بداعمال ہونے سے مرجانا بہتر ہے۔ لارڈ ٹینی سن

آفرین ہے اُس شخص کی ذات پر جو حق کے اظہار پر کسی سے نہ ڈرے۔ خواہ دُنیا اس کے برخلاف کیوں نہ ہو جائے۔ وہ کسی کی پرواہ نہ کرے۔ لونگ فیلو

بالفرض بدقسمتی کا مہیب دیو اپنے ترکش میں سے سارے تیروں کی بوچھاڑ مجھ ہی پر کرے۔ مگر کیا ڈر ہے۔ میرے اندر ایک ایسی رُوح موجود ہے۔ جو بھاری ڈھال کا کام دے سکتی ہے۔ اور مجھے پیکانِ حوادث سے ہمیشہ محفوظ رکھ سکتی ہے۔ ڈرائیڈن

ہماری سب سے بڑی فتحمندی اس میں نہیں کہ ہم کبھی ناکام نہ ہوں۔ بلکہ کامیابی کا اصلی

رازیہ ہے۔ کہ ہم گریں اور گرگر اُٹھنے کی طاقت حاصل کریں۔ کانفوشس

وہ دیوار ابھی تعمیر نہیں ہوئی۔ جو الوالعزم لوگوں کے راستے کا سدِّ باب کرسکے اور اُنہیں اپنی رفتار سے باز رکھ سکے۔ ؎

الوالعزمیاں دانشمند جب کرنے پہ آتے ہیں سمندر پھاڑتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

بینتھون

ذرا ذرا سے اسراف سے بھی بچتے رہو۔ کیونکہ چھوٹا سا سوراخ ایک بھاری جہاز کو پانی مرنے سے ڈبو سکتا ہے۔ بنجمن فرنکلن

قرض ایک ایسا جال ہے جس میں پھنسنا نہایت آسان ہے۔ مگر نکلنا دشوار ہے۔ اینچ ڈبلیو۔ شا

کفایت شعاری غریب شخص کے حق میں گھر کی ٹکسال ہے۔ مٹیر

تُم خواہ کسیقدر قابل ہو اور تمہارے وسائل خواہ کتنے ہی وسیع ہوں۔ پھر بھی اپنے جھونپڑے کے مقابل اُن اُونچے اُونچے محلّوں کے خواب دیکھنا چھوڑ دو۔ جو کبھی تمہارے کام نہ آئینگے۔ بلور

خواہشوں کا پُورا کرنا۔ اور اپنی ضروریات کو خود پُورا کرنا ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ ایمرسن

نیکی ایک ایسا عالیشان مینار ہے۔ جو مصر کے میناروں کو بھی نیچا دکھاتا ہے۔ خواہ مصر برباد بھی ہو جائے۔ تاہم نیکی کے کتبے ہمیشہ کے لئے یادگار رہینگے۔ یونگ

اگر تو عقل سے کام نہیں لیگا۔ تو حماقت تیری گردن اُڑوا دیگی۔ رچرڈز

عبدالرسول بی۔ اے

رنگینئ خیال

(مولانا سید عبدالسلام خیال ایم اے)

عالم نظر میں ہے کسی مستِ شباب کا
آنکھوں سے پی رہا ہوں پیالہ شراب کا

محشر میں دھونے آئی ہے دفتر حساب کا
اللہ رے حوصلہ مری چشم پرآب کا

برقعہ اُٹھا کہ طالبِ دیدار گر پڑے
بے پردگی نے کام کیا ہے حجاب کا

امید کا طلسم کبھی ٹوٹتا نہیں
وہ لاجواب اور میں طالب جواب کا

قابو میں وہ تو آئے ہیں قابو میں دل نہیں
پردہ پڑا ہوا ہے ابھی اضطراب کا

فصل بہار آتے ہی پیری بھی آگئی
توبہ کے ساتھ ٹوٹ گیا خم شراب کا

جوبن کا یہ اُبھار ہی ڈھلنے کی ہے دلیل
ہے ٹوٹنے کیواسطے بندھنا حباب کا

شاید مئے وصال سے بھرنے کا ہو خیال
خالی دیا ہے مجھ کو پیالہ شراب کا

انتقام اولیٰ کہ ترک انتقام

گذشتہ سے پیوستہ

نہیں بھولیگا اے بالیں پرستِ خوابِ تنہائی
وہ سُستی ڈالنا تجھ پر مرا انگڑائیاں لیکر

۱۵ اعتراض نیستی اُتارنا محاورہ ہے۔ سُستی ڈالنا ٹکسال باہر۔

جواب۔ بیشک محاورہ کی یہ فاش غلطی ہے۔ اور ہرگز قابل معافی نہیں۔

روایت سے کوئی برہان لمی پیش کرتا ہے
درایت سے کوئی لاتا ہے استدلال دعوے پر

۱۶ اعتراض۔ روایت۔ درایت۔ برہان لمی۔ استدلال۔ دعوے اتنے اصطلاحی الفاظ جمع کر دیئے ہیں۔ ایسے شخص کی قابلیت میں جسے شک ہو۔ وہ کافر ہے۔ مگر استدلال کرنا کی بجائے استدلال لانا نیا تصرف ہے۔ دلیل لانا البتہ صحیح ہے۔

جواب۔ جناب یاس یا کسی شاعر کو علما کی زبان پر گرفت کا حق حاصل نہیں ہے۔ کیا عجب ہے کہ علماء کے نزدیک استدلال لانا بھی صحیح ہو۔

مودب سر جھکائے اپنے اہل محشر میں
یہ ہیبت ہے کہ لرزے میں ہیں سب اندام جسمانی

۱۷ اعتراض۔ کیوں جناب اندام جسمانی کے کیا معنی؟ اور اس لفظ کا اشارہ کس طرف ہے استفادہ کی راہ سے پوچھتا ہوں۔ اعتراض نہیں کرتا۔

جواب۔ حق یہ ہے۔ کہ ایسے زبردست اعتراض کی تاویل میں وقت ضائع کرنا محض کج بحثی ہے۔ میری سمجھ میں بھی نہیں آتا۔ کہ اندام جسمانی کیا بلا ہے۔ اور اندام روحانی کس کا نام ہے۔

بٹھا کر لے چلے ہیں دوش پر اپنے رسول اللہ
چڑھی مشقیں ہیں دکھلاے بتان بیت ربانی

۱۸ اعتراض۔ "چڑھی مشقیں ہیں" ایک محاورہ تو نظم کر دیا معنوی تعلق ہو یا نہ ہو۔ کچھ نہ کھلا کہ چڑھی مشقیں ہیں تو کیونکر ہیں۔ آخر کون سے دھاوے مارے۔ چڑھی مشق آخر کیونکر ثابت ہوئی۔ رسول اللہ نے جناب امیر کو کاندھے پر چڑھا لیا۔ یہ تو معلوم ہے مگر اس سے چڑھی مشق کا مفہوم کیونکر ادا ہوا۔ ہاں اگر یوں کہتے کہ رسول اللہ نے ید اللہ سے قوی و زبردست کو کاندھے پر چڑھا لیا تو خیر اک بات تھی۔ اگر محاورہ بندی کی خوبی یہی ہے۔ تو ہم باز آئے اس محاورہ بازی سے۔

جواب۔ بتوں کو مخاطب کر کے شاعر کہتا ہے کہ دیکھو رسول اللہ اپنے بھائی کو ابھی سے کاندھے پر چڑھانے کی مشق کر رہے ہیں۔ اسی طرح ایک دن وہ آئے گا۔ کہ اپنے کاندھے پر چڑھا کر بُت شکنی کا کام لینگے۔

الہیٰ تا قیامت مامتا تیری رہے ٹھنڈی
پھلے پھولے ترا بچہ بزیر ظل سبحانی

۱۹ اعتراض عورتوں کی زبان سے اکثر سُنا جاتا ہے۔ کہ الہیٰ تجھے موت آئے۔ الہیٰ تو پروان چڑھے۔ مگر میرے نزدیک اس قسم کے جملے غلط ہیں۔

کیونکہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اے خُدا تجھے موت آئے۔ اے خدا تو پروان چڑھے۔ حالانکہ مقصود یہ نہیں ہوتا مطلب تو کسی مخاطب کو دُعا دینا یا کوسنا ہے۔ مگر ایک مخاطب کے ساتھ دوسرا مخاطب خُدا کو ٹھہرا کر دُعا دینا یا کوسنا لغو و مہمل ہے۔ ہاں لفظ الہیٰ سے خدا کو مخاطب کر کے متکلم اپنے لئے یا کسی شخص غائب کے لئے دُعا یا بد دُعا کرے تو از روئے علم و عقل صحیح ہو سکتا ہے جیسے الہیٰ اپنے بندوں پر رحم کر۔ الہیٰ مجھے دُنیا سے اُٹھا لے وغیرہ کسی مخاطب کے لئے جب کوئی دُعا یا بد دُعا کریں۔ تو اُس مقام پر لازم ہے کہ لفظ الہیٰ کے عوض "خُدا کرے" لائیں جیسے

ص ۱ اُجاڑا موسم گل ہی میں آشیاں صیاد الہیٰ ٹوٹ پڑے تجھ پہ آسماں صیاد (تاجور)

خُدا کرے تیری مامتا ٹھنڈی رہے۔ جناب عزیز نے عورتوں کی تقلید میں فرما دیا۔ کہ الہٰی تیری مامتا ٹھنڈی رہے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ خُدا کی مامتا ٹھنڈی رہے۔ واہ واہ واہ!

اس عیب کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے۔ کہ مامتا۔ ٹھنڈی رہے۔ پھلے پھولے۔ ترا بچہ۔ کہاں تو ایسے نازک و شیریں الفاظ کہاں "بزیر ظل سبحانی" معلوم ہوتا ہے۔ جیسے پتھر کھینچ مارا۔

فصاحت لفظی پر نظر کیجئے۔ تو مامتا بھی فصیح۔ ٹھنڈی رہے۔ اور پھلے پھولے بھی فصیح اور اپنے محل پر "ظل سبحانی" بھی فصیح مگر یہاں ان الفاظ نرم و شیریں کے ساتھ "ظل سبحانی"۔ اور پھر اس کے ساتھ لفظ "بزیر" نے ملکر فصاحت کی مٹی خراب کر دی۔

جواب۔"الہٰی تیری مامتا ٹھنڈی رہے"۔ حضرت یاس نے جو اس پر اعتراض کیا ہے۔ از روے صرف و نحو بیشک صحیح ہے۔

کعبہ چلا ہوں دل میں کچھ ارماں کئے ہوئے　　کافر نگہ بتوں کو مسلماں کئے ہوئے
محنت کا اُس کی راز نمایاں کئے ہوئے　　پھر میں خلیل دل کو سناتا ہوں اک نوید

ع ۲۰ اعتراض۔ اس قصیدہ میں جناب امیرؑ کی ولادت کا ذکر ہے۔ نہ معلوم خلیل دل کو کیا نوید سنائی۔ اور اُس کی محنت کا راز کیا اور کیونکر نمایاں کیا گیا۔ یہ شاعری میری سمجھ میں نہیں آتی۔ ناظرین قصائد عزیز کی ایک ایک جلد خریدیں اور خود اس قصیدہ پر غور کریں۔ مَیں بڑے زور سے سفارش کرتا ہوں۔ کہ ابتدا سے انتہا تک اس قصیدہ کی ردیف کو اہل نظر خاص طور پر ملاحظہ فرمائیں۔ ہاں یہ کہنا تو بھول ہی گیا۔ کہ جب دل کو خلیل فرض کر لیا تھا۔ تو کعبہ بھی نیا بنانا چاہئے تھا۔

جواب۔ غالباً شاعر کا یہ مطلب ہے کہ کعبہ کے بانی حضرت ابراہیم خلیل اللہ تھے۔ اور اُنہوں نے کعبہ شاید اسی غرض سے بنایا ہوگا کہ اس میں ایک دن علی مرتضیٰ کی ولادت ہوگی۔ لہٰذا یہی اُن کی محنت و جانفشانی کا راز ہے۔ مگر یاس صاحب پھر اعتراض کرینگے۔ کہ بیشک حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے کعبہ بنایا تھا۔ مگر خلیل دل نے نہیں بنایا تھا۔ سو اس اعتراض کا جواب ممکن نہیں۔

حق یہ ہے۔ کہ اس شعر کے معنی بھی نہ سمجھ سکا۔

پھر بند ہوگا ناطقہ ناقوس دیر کا
تکبیر سے ہوں بتکدہ ویراں کئے ہُوئے

۲۱ اعتراض۔ ردیف کی چستی کا کیا کہنا۔ دوسرا مصرع کیا ہے۔ زرافہ ہے زرافہ اور پورا شعر اشترگاو پلنگ بنکر رہ گیا ہے۔ رہے معنی سو مرزا سودا پہلے ہی فرما گئے ہیں۔ معنی ہیں سو وہ خواب فراموش کی تعبیر۔

زرافہ بفتح اول و تشدید ثانی جیوانے است کہ اشترگاو پلنگ نام دارد چہ گردش بگردن شتر و سُمش بگاوَ و رَنگش بہ پلنگ وُ دمش بہ دم آہو و دنداں بدنداں خرمی ماند و ہردو دست دراز و ہردو پاے کوتاہ دارد۔

جواب۔ حضرت یاس نے غالب کی غزل کو پیش نظر رکھکر حضرت عزیز کے قصیدہ کو ملاحظہ فرمایا ہے۔ ورنہ ردیف کی سُستی پر اعتراض نہ فرماتے۔ حضرت عزیز نے کب یہ دعوےٰ کیا۔ کہ مَیں غالب کا ہمسر ہوں۔ سُست اور چُست پست اور بلند سے خاقانی و انوری و سعدی کا کلام خالی نہیں۔

شوق اذان صبح میں بستر لگائے ہوں
کعبہ کی چھت پہ سونے کا ساماں کئے ہوئے

۲۲ اعتراض۔ واہ ری ردیف۔ کعبہ کی چھت پر بستر لگانے سے بلندی تخیل ظاہر ہے کبھی کسی بادشاہ نے کعبہ کی چھت پر پیکشی کا ارادہ کیا تھا۔ آج حضرت عزیز نے معراج کی ٹھانی ہے۔ کسی حاجی سے پوچھنا چاہئیے۔ کہ کعبہ کی چھت پر سونا چہ معنی دارد۔

جواب۔ گستاخی معاف۔ حضرت یاس کا یہ شیوہ کچھ اچھا نہیں۔ یہی اعتراض اگر متین لہجہ میں ہوتا تو حریف کو مان لینے میں عذر نہ ہوتا۔ مگر آپ مضحکہ اڑانے لگتے ہیں۔ آخر اس کا کیا حاصل اگرچہ حضرت عزیز نے اس قصیدہ میں ردیف کا لحاظ نہیں فرمایا ہے۔ مگر اس کے لئے اتنا

تشدد کرنا ٹھیک نہیں۔

جاتا ہوں مدرسہ سے طربگاہ شوق پھر
سب درس درج دفترِ نسیاں کئے ہُوئے

۲۳ اعتراض۔ دہلی جاتا ہوں۔ لاہور جاتا ہوں کی طرح میدان قتل جاتا ہوں۔ طربگاہ شوق جاتا ہوں وغیرہ بھی جائز ہو گیا۔ اب لفظ "کو" کی ضرورت نہ رہی۔ آپ کی فصاحت زبان قسم کھانے کے قابل ہے۔ بلکہ یوں کہئے کہ فصاحت خود آپ کی قسم کھاتی ہے۔

جواب۔ جواب اسی اعتراض میں موجود ہے۔ یعنی لفظ "کو" محذوف ہے۔ اور اس سے فصاحت میں خلل نہیں پڑتا۔ عبارت جہاں تک مختصر ہو اُسی قدر قابل تعریف ہے۔

جوشِ خمار میں مری آنکھیں ہیں گلفشاں
آتا ہوں خمکدہ کو گلستاں کئے ہوئے

۲۴ اعتراض۔ جوشِ خمار ہی سے آنکھیں سُرخ ہو گئیں یعنی بے پئے نکل آئے یا جو کچھ بھی معنی ہوں مجھے معلوم نہیں۔

جواب یہاں پر میں حضرت یاس کا ہم آواز ہوں۔

دکھلا رہا ہوں سیر کسی دل شکن کو پھر — داغوں سے اپنا سینہ گلستاں کئے ہوئے
خلوتکدہ میں حسن کے پھر بار یاب ہوں — سرمایۂ نگاہ پریشاں کئے ہُوئے
مصروف اہتمام خلش ہو رہا ہوں مَیں — پیوند رُوح پھر ترا پیکاں کئے ہوئے

۲۵ اعتراض۔ پہلے تو کسی دل شکن کو داغوں کی بہار دکھائی۔ اُس کے بعد تیسرے شعر میں "ترا پیکاں" فرما کر لفظ "ترا" سے غائب کو حاضر فرض کر لیا۔ مگر غیبت سے حضور کی طرف عدول کرنے کا محل یہ نہیں ہے۔

دوسرا شعر (خلوتکدہ میں حسن کے الخ) دیکھکر غالب کا یہ شعر یاد آ گیا ؎

نظارہ نے بھی کام کیا واں نقاب کا — مستی سے ہر نگہ ترے رُخ پر بکھر گئی
غالب

غالب کے اس شعر کا کیا ستیاناس کیا ہے - افسوس -

۲۶ء اعتراض - تیسرے شعر میں دیکھنے کی بات یہ ہے - کہ جب پیکان پیوند رُوح ہو گیا تو پھر اہتمام خلش کرنا چہ معنی دارد - واہ کیا شاعری ہے کیا بلاغت ہے -

جواب - یہ تینوں اعتراض موشگافی کے مترادف ہیں -

پھر لے رہا ہوں درس مکافات عاشقی　　　دل میں تصوّر شب ہجراں کئے ہوئے

حُسن کشش کو دیکھ رہا ہوں بغور میں　　　سیر نظام گنبد گرداں کئے ہوئے

۲۷ء اعتراض - نہ معلوم مکافات عاشقی کیا ہے یا مقامات عاشقی - شعر کیا ہے گورکھ دھندا ہے - درس - مکافات - عاشقی - سیر - نظام وغیرہ الفاظ کے معنی تو معلوم ہیں - مگر شعر کے معنی سمجھ میں نہیں آتے -

اِس کے بعد فرماتے ہیں حُسن کشش کو دیکھ رہا ہوں - غالباً سیاروں کے حُسن کشش کو کیونکر دیکھ رہا ہوں ؟ سیر نظام گنبد گرداں کئے ہوئے - اہا ہا کیا ردیف ہے - سبحان اللہ اور معنی کی خُوبیوں کا کیا کہنا - دیکھئے ردیف کا لیٹ جانا اسے تو بہ لپٹ جانا اسی کو کہتے ہیں - کیا لکھوں میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں - مگر میرا دماغ ان اشعار سے زیادہ مجھ سے نفرت کرنے لگا - کہ ایسے ہفوات میں وقت ضائع کرنا کیا ضرور -

جواب - یہاں پھر حضرت یاس نے مضحکہ اُڑانا شروع کیا - فرماتے اہا ہا اوہو ہو - ردیف کا لیٹ جانا اور لپٹ جانا اِن فضول باتوں کا کیا حاصل - آپ کا دماغ ان اشعار سے نفرت کرتا ہے - اور مجھے آپ کے اس مضحکہ اُڑانے سے نفرت ہوئی ہے -

(باقی آئندہ)

اشک کنتوری

نالۂ یتیم

میرے پاس جب کوئی اصلاح کے لئے کلام بھیجتا ہے۔ اکثر واپس کر دیتا ہوں کہ اصلاح کی بیگار میرے لئے تکلیف دہ ہوتی ہے لیکن سنت رام نسیم کے کلام پر اصلاح کے لئے عدیم الفرصتی میں بھی مجھے وقت نکالنا پڑتا ہے۔ یہ نوعمر ہونہار لڑکا جوبلی ہائی سکول وزیرآباد کے تھرڈ مڈل میں پڑھتا ہے۔ مخزن کا خریدار ہے۔ اب سے پیشتر جب کبھی لاہور آتا تھا۔ تو اس کا شوق کتب بینی اسے مخزن آفس میں کھینچ لاتا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ جب آیا دو دو تین تین گھنٹے مخزن کی پرانی جلدیں دیکھنے پر اس نے صرف کئے۔ مینجر صاحب مخزن نے اس کی نوعمری کو دیکھکر اس سے پوچھا۔ کہ صاحبزادہ تم جو مخزن خریدتے ہو مخزن کے مضامین تمہاری سمجھ میں آجاتے ہیں۔ نسیم نے جواب دیا کہ جتنا حصّہ سمجھ میں نہیں آتا کسی جاننے والے سے پوچھ لیتا ہوں۔ میں بھی سمجھتا رہا۔ کہ مخزن خرید کر یہ ساڑھے تین روپے ضائع ہی کرتا ہے۔ گذشتہ ماہ وزیرآباد سے اصلاح کے لئے یہ نظم آئی۔ خط کے خاتمہ پر سنت رام اور جوبلی ہائی سکول پڑھ کر مینجر صاحب کی طرح مجھے بھی سخت حیرت ہوئی۔ تھرڈ مڈل میں تعلیم پانے والا بچّہ تو شعر سمجھنا بھی مشکل ہی سے ہے۔ کجا کہ شعر گوئی۔ مَیں نے اپنی شاعری کے چند اصول لکھکر اس نظم کے صرف چھ مصرعوں میں اصلاح کرکے اس یقین کے ساتھ کہ سنت رام نے یہ نظم اپنے نام سے کسی سے لکھواکر بھیجدی ہے۔ نظم واپس کردی۔ چار دن کے بعد کیا دیکھتا ہوں۔ کہ نسیم نے نظرثانی کے لئے نظم پھر بھیجدی ہے۔ اور میرے ہی اصول سے میری اصلاح پر کئی صحیح شبہات وارد کر رکھے ہیں۔ خط میں اپنی نظم کا وزن عروضی بھی لکھدیا میرا سابقہ یقین کہ یہ لڑکا کسی سے لکھواکر بھیجتا ہے۔ اور بھی راسخ ہوگیا۔ مَیں نے اُسے

لکھا کہ ایک دن کے لئے تم آکر مل جاؤ۔ تمہارے شبہات کا میں زبانی جواب دونگا۔ چنانچہ میری طلبی پر وہ آیا۔ اُس سے گفتگو کر کے معلوم ہوا۔ کہ وہ نہایت ذہین نہایت ذکی اور فن شعر کے متعلق صرف مطالعہ کتب سے کافی معلومات رکھتا ہے۔ ذیل کی نظم میں مَیں نے صرف چھ مصرعوں میں اصلاح کی ہے۔ باقی اشعار نسیم کے ہیں۔ یوں تو پنجاب شاعروں کی کان ہے۔ مگر صحیح گو شاعر یہاں اُنگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں نسیم کی نظم اور گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضروریات نظم میں صحت کو سب سے مقدم سمجھتا ہے۔ نسیم کی شاعری کو دیکھکر یہ معمہ حل ہو جاتا ہے

کہ شاعر پیدا ہوتا ہے بنایا نہیں جاتا

خدا نے چاہا تو نسیم آئندہ زمانہ کا بہترین شاعر ہوگا۔

تاجور

دُنیا میں آہ بسمل تیرِ جفا ہوں مَیں رنج و الم میں آٹھ پہر مبتلا ہوں مَیں
پامالِ جورِ چرخِ ستمگر ہُوا ہوں مَیں بیکس ہوں بے رفیق ہوں بے آشنا ہوں مَیں
سہتا ہوں رنج گردشِ لیل و نہار کے
میرے لئے ہیں جور و ستم روزگار کے
مرگِ پدر نہ پُوچھئے کیا قہر ڈھا گئی! بیدرد میرا نخلِ تمنّا جلا گئی
نقشِ مُرادِ صفحۂ دل سے مٹا گئی افتاد ایسی مجھ پہ پڑی دل بٹھا گئی
لے دیکے بیکسی میں تھی اک ماں ہی غمگسار
وہ بھی ہوئی شہید ستمہائے روزگار
ماں باپ کی حیات میں خوشیاں تھیں بیشمار مجھکو نہ ہونے دیتے تھے تکلیف زینہار
تھا مَیں ہی اُنکے گلشنِ امید کی بہار میری خوشی پہ اُن کی خوشی کا تھا انحصار
کرتے تھے پیار دیتے تھے شیرینیاں مجھے

کیسے تھپک تھپک کے سُلاتی تھی ماں مجھے

لیکن ہے حال اب یہ مجھ آفت نصیب کا
رہتا ہے لب پہ شام وسحر نالہ و بکا

رنج والم میں رہتا ہوں ہر وقت مبتلا
اتنا نہیں کہ پُوچھے کوئی حال دل مرا

مجھ ناتواں یتیم کا اب آسرا ہے کون
ہمدم ہے کون یار ہے کون آشنا ہے کون

خالی نہیں ہے غم سے کوئی دم مرے لئے
دُنیا میں ہوں میں غم کے لئے غم مرے لئے

ہے کون کس کی آنکھ ہو پُرنم مرے لئے
عنقا صفت ہیں مونس وہمدم مرے لئے

حالت پہ میری آہ کسی کی نظر نہیں
واحسرتا کہ قوم کو میری خبر نہیں

گرتا ہوں ڈگمگاتا ہوں یارب مجھے سنبھال
بپتا میں کیا سُناؤں تو ہے آشنائے حال

دُکھ درد میرا دُور کر اے رب ذوالجلال
تیرے سوا ہے اور بھلا کس کو یہ مجال

آیا ہوں بارگاہ میں تجھ سے کریم کی
تُو ہی سُنے گا رام کہانی یتیم کی

سنت رام نسیم

رباعی

پا سکتا ہے پھر جو زر لُٹائے کوئی
کیا پائے جو آبرو گنوائے کوئی

بکھرے ہوئے موتی تو سمٹ سکتے ہیں
ٹپکے ہوئے اشک کیا اُٹھائے کوئی

آرزو لکھنوی

اُردو اور اہل زبان

۲
اساتذہ لکھنؤ

علم ریاضی کا اصول مسلّمہ ہے کہ ایک دائرہ کا ایک ہی مرکز ہوتا ہے جس طرح دو نقاط کے مابین ایک ہی خط مستقیم ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک زبان کا ایک ہی مرکز ہونا چاہئے۔ ع
ایک سے جب دو ہوئے تو لطف یکتائی نہیں۔ لیکن اُردو کے مرکز کے مبحث میں یکتائی کا سوال اس سے پہلے ہی گم تھا۔ جب کہ اُردو لکھنؤ پہنچی۔ کیونکہ اس کا اصلی مرکز تو پنجاب تھا۔ دہلی صرف بمنزلہ اس چھوٹے دائرے کے تھی۔ جو ایک بڑے دائرے کے اندر کھینچ گیا ہو۔ لہٰذا مرکز وہی پہلا رہا۔ یعنی پنجاب۔ یہ ہم پہلے حصّہ مضمون میں وضاحت کے ساتھ کہہ آئے ہیں۔ اور ثابت کر چکے ہیں۔ کہ اُردو کا مرکز پنجاب ہے نہ کہ دہلی۔ جب دہلی اُردو کا مرکز نہیں تو لکھنؤ کیسے ہوسکتا ہے۔
باایں ہمہ اس کے تسلیم کرنے میں کسے تامّل ہوگا۔ کہ لکھنؤ میں ایک قسم کی اُردو مدّت سے جاری ہے۔ اور وہاں اس زبان کے لکھنے پڑھنے والے ایک عرصہ سے ہوتے چلے آئے ہیں۔ اُن کو اُردو کس نے سکھائی۔ وہ کیا زبان تھی۔ اور اُنھوں نے اس زبان سے کیا بنایا یا بگاڑا۔ اس بحث سے اس جگہ درگزر کیا جاتا ہے۔ غرضکہ لکھنؤ کی زبان اُردو اور ادب کی ادبی حیثیت سے خواہ کچھ ہی منزلت ہو اور اہل لکھنؤ کی زبان "پوربی اردو" کے امتیازی نام کی مستحق یا منسوب ہی کیوں نہ ہو۔ اس مضمون میں مجمل طور پر اس سے بحث کی جائیگی کہ "پوربی اردو" کے اول طبقے کے دو شاعروں کی نسبت اصلاح سخن اور اُستادی کا جو دعوےٰ کیا جاتا ہے۔ وہ سراسر لغو اور بے بنیاد ہے۔ اس کے بعد اُن کے یعنی خواجہ آتش اور شیخ ناسخ کے کلام پر تفصیل کے ساتھ تنقیدی نظر ڈالی جائیگی۔

یہ کہنا صحیح ہے کہ اُردو جو پنجاب سے دہلی میں آکر بگڑ گئی تھی۔ اب وہاں سے لکھنؤ جاکر بگڑ گئی۔ جسے کہتے ہیں تگڑنا۔ یعنی تگڑ گئی۔

آزاد مرحوم آب حیات میں دبی زبان سے فرماتے ہیں:۔

"اب (لکھنؤ والے) جو چاہیں سو کہیں۔ ہم نہیں روک سکتے۔ چنانچہ شیخ صاحب (ناسخ) فرماتے ہیں:۔

شہسواری کا جو اس چاند کے ٹکڑے کو ہو شوق	چاندنی نام ہے شبدیز کی اندھیاری کا"

واللہ شبدیز کی شب یلدا میں سے خوب اندھیاری نکالی۔ مگر اصل میں اس لفظی رعایت اور بدعت کا سہرا شیخ صاحب کے سائیں گنگا دین کے سر ہے۔ جس سے اُنھوں نے یہ لفظ سیکھا تھا۔ شیخ صاحب پر بعینہٖ یہ مثل صادق آتی ہے۔ اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔ زبان کی اصلاح کے باب میں جو کسر آپ نے باقی چھوڑی تھی۔ وہ آپ کے شاگردوں نے پُوری کر دی۔ بیچارہ منیر ایسی مضحکہ انگیز تشبیہوں اور مراعات لفظی کے لئے مفت بدنام ہے۔ جبکہ قدمائے لکھنؤ میں سے کوئی ایسے مبتذل مضامین سے نہیں بچا۔ مُشتے نمونہ از خروارے:۔

چھترا اچھلا فلک پہ بت خانہ جنگ کا	دوڑا ہے نیل گاؤ پہ کتّا تفنگ کا
بدل لوں موسم شادی سے میوہ موسم غم کا	بناؤں گوکھرو گوٹا اگر پاؤں محرم کا
کشتۂ چشم کی تربت کا چرے گر سبزہ	پیٹ سے بکری کے ہو بچۂ آہو پیدا
مرغِ دل کو توڑ گئی بلّی ترے دروازہ کی	رختِ تن کو کتر بگا جو ہا تمہاری ناک کا
طفل گاذر کے عشق میں آخر	جان سے اپنی ہاتھ دھو بیٹھے
اسقدر لاغر ہوتے ہیں ہم خیالِ زلف میں	اب سواری کو ہماری ایک جوں درکار ہے

ل۵ اس بحث میں ہم کنایتہً یا صراحتہً اُن شعرائے لکھنؤ کو شامل نہیں کرتے جو جدید سکول یا طبقہ حال سے تعلق رکھتے ہیں ان کی جگہ اور شاعروں اور ادیبوں کے ذیل میں ہے۔ جو بلا قید مقام عزّت و امتیاز کے مستحق ہیں۔ یہ کون کون اصحاب ہیں۔ اس کا ذکر اپنی جگہ پر آئیگا۔ یہاں دوران مضامین ہمارا روئے سخن قدمائے لکھنؤ سے ہے۔

بالیاں اُس نے زمرّد کی بڑھائیں وقت خواب
کان کے پتّے بنے ہیں سبزۂ بیگانہ آج

شادی کروں عروس مضامینِ نور سے
نکلے برات کوچۂ بین السطور سے

شمس ولی اللہ۔ ولی

معشوق کو صرر نہیں عاشق کی آہ سے
بُجھتا نہیں ہے بادِ صبا سے چراغ گل

شاہ مبارک۔ آبرو

سہو کر بولتا تھا مجھ سیتی
بوجھ کر بات کو چھپائے گیا

محمد شاکر۔ ناجی

چھوڑتے کب ہیں نقد دل کو صنم
جب یہ کرتے ہیں پیار کی باتیں

سودا

دل کے پرزوں کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں
کچھ علاج انکا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

اشک آتش، خوں آتش، و ہر لخت دل آتش
آتش پہ برستی ہے پڑی متصل آتش

سب کام نکلتے ہیں فلک تجھ سے ولیکن
میرے دل ناشاد کی امید برآوے

میر

جادو کرتے ہیں اک نگاہ کے بیچ
ہائے رے چشم دلبراں کی ادا

جب کوندتی ہے بجلی تب جانب گلستاں
رکھتی ہے چھیڑ میری خاشاک آشیاں سے

لطف سے پوچھتا تھا ہر کوئی
جب تلک لطف کچھ تمہارا تھا

اس کے خیال میں ہے کسے یاں دماغ حرف
کرتی ہے بیہودہ جو قلم کی صریر ہو

ہوتے ہیں میکدے کے جواں شیخ جی بُرے
پھر درگزر یہ کرتے نہیں گو کہ پیر ہو

انشا

یہ جو مہنت بیٹھے ہیں رادھا کے کُنڈ پر
اوتار بنکے گرتے پریوں کے جھنڈ پر

پُوچھنے کیا ہو کہ تیرے دل میں کیا ہے مجھ سے پوچھ
اور کیا یاں خاک ہوگی جوش ہے یا اضطراب

ہم نے ان اساتذۂ متقدمین (جو طبقۂ اوّلیں سے لیکر طبقہ چہارم تک میں جگہ رکھتے ہیں) کے کلام سے صرف ایسے چند اشعار لیکر دئے ہیں - جن میں کاتب - مدوّن دیوان - یا آپ اور ہم اصلاح نہیں کر سکتے تھے - اگر کوئی ایسا کرتا تو شعر وزن سے گر جاتا ہے یعنی اوپر نشان دئے ہوئے افعال کو اگر آپ آئے ہے - کے طرز پر لائیں تو کلام کلام موزوں نہیں رہیگا - مثلاً مجھے نہیں ہے - ہوئے تھا - چھوڑیں کب ہیں - پھروں ہوں - برسے ہے - نکلیں ہیں کریں ہیں - کوندے ہے - پوچھے تھا - کرے ہے - نہیں کریں ہیں - گریں ہیں - پوچھو کیا ہو - آپ نے دیکھا کہ ان افعال کے لانے سے شعر کلام موزوں نہیں رہ سکتا - لہٰذا اس میں کسی کا تصرف یا اصلاح و تحریف نہیں -

لہٰذا یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا - کہ فعل کی اس نئی ترکیب کے موجد یا رواج دینے والے قدمائے لکھنؤ نہیں ہو سکتے - مگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُنہوں نے یعنی ناسخ اور آتش نے ہر دو با اس پرانی ترکیب کو ترک کر کے متروکات قطعی میں داخل کیا - سردست ہم ایک ایک دو دو شعر ان دونوں اصحاب کا یہاں لکھتے ہیں - منصف مزاج فیصلہ کر لینگے - کہ یہ دعوےٰ بھی کہاں تک حق پر مبنی ہے

ناسخ

نشۂ مے ہے جو منہ سے نکلی پڑتی ہے زباں چاہئے ہے دست ساقی سے پئے پیمانۂ شمع

آتش

کھچے ہے دور یہ تشبیہہ قد بالا سے ہوئے ہیں تاڑ سے بھی سرو بیحساب بلند
بھنتا ہے جبکہ عشق کی آتش سے دل مرا ٹپکے ہیں اشک صورت اشک کباب تلخ

(باقیدارد)

شیر پنجاب

نورِ نظر

قمر کی کشتیِ سیمیں میں بیٹھا
نظر آیا مجھے ننھا سا بچہ

سبک رو تھی وہ یوں ننھی سی کشتی
نہ تھا گویا کسی طوفاں کا کھٹکا

فضائے اوج بحرِ پُرسکوں تھی
کہ تھا ننھا سا کشتی کا کھویّا

ادھر اک چاند کی چاندی کی کشتی
ادھر اک نور کا اس میں وہ پتلا

مرا جی چاہتا تھا اُڑ کے لے لوں
کسی حیلے سے پیارا پیارا بچہ

کہاں تھے بال و پر مجھ کو میسّر؟
کہ میں اُڑ کر وہاں تک جا پہنچتا

نہ تھی یہ بات ہائے میرے بس کی
میں اِک حیرت کی تھا تصویر گویا

ادھر کشتی وہ چلتی تھی فلک پر
ادھر چلتا تھا میرے دل پہ آرا

کوئی دم میں گزر جائیگی سر سے
میں رہ جاؤنگا بس حیرت سے تکتا

جُھکی اتنے میں کشتی وہ زمیں کو
رُخ اس کا تھا مری جانب ہی گویا

جو پایا اسکو آتے اپنی جانب
خوشی سے میں نہ جامے میں سمایا

کہ اتنے میں اُتر آئی زمیں پر
مرے آگے تھی کشتی اس میں بچّہ

محبت سے بڑھائے ہاتھ میں نے
کہ لوں آغوش میں وہ ماہ پارا

مگر اے وائے مجھ سے وہ کھچا اور
ہلا کر سر، لب نازک سے بولا

"تری آغوش اس قابل نہیں ہے
کہ جس میں آئے کوئی مجھ سا بچہ

میں تھا بچہ ترا اور تو نے مجھ کو
نظر بھر کر محبّت سے نہ دیکھا

مرا تو باپ تھا آخر کبھی تو
محبّت سے اُٹھایا مجھ کو ہوتا"

لگی یہ سن کے دل پر چوٹ ایسی
کہ مُنہ سے میرے نکلا 'ہائے بیٹا'

کہاں بیٹا کہاں کشتی قمر کی
مگر اِک خواب تھا جس سے میں چونکا

غلام محمد

آفتابِ دمشق

گذشتہ سے پیوستہ

آج اسلام کا وہ منظر تعجب اور اچنبہ معلوم ہوتا ہے۔ ریگستان عرب کے تودے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ لو کے جھکڑ اور بادِ سموم کے جھو کے قیامت خیز ہیں۔ جسم آگ میں جھلس رہے ہیں۔ ہر متنفس سر سے پاؤں تک پسینے میں شرابور ہے۔ زمین تانبے کی طرح تپ اور ریت لوہے کی مانند دہک رہا ہے۔ زمین سے آگ کے شعلے اُٹھ اور آسمان سے آگ کے انگارے برس رہے ہیں۔ اور مسلمانوں کا لشکر صدائے تکبیر بلند کرتا یہ قیامت خیز میدان طے کر رہا ہے۔ ادنے ادنے مسلمان گھوڑے پر سوار ہے۔ اور مسلمانوں کا بادشاہ خلیفۂ وقت امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ پا پیادہ لشکر کے ساتھ ہے۔ لوگ عجز سے منت سے خوشامد سے عرض کرتے ہیں۔ کہ گھوڑے پر سوار ہو جائیے۔ ہمارے آنسو فراق رسولؐ میں خشک نہیں ہوتے ہماری ضرورتیں ابھی پوری نہیں ہوئیں۔ ہماری گتھیاں ابھی سلجھی نہیں۔ ایسا نہ ہو طبیعت ناساز ہو جائے۔ مگر امیر المومنین کی زبان سے اس کا یہ جواب ملتا ہے۔

تم میری پرواہ نہ کرو خُدا کی راہ میں جاتے ہو۔ اس کی رحمت کے مستحق ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اور ہر قدم پر مجھ کو اجر مل رہا ہے۔ ایک رات اور ایک دن حضرت صدیقؓ نے اسی طرح لشکر کے ساتھ سفر طے کیا۔ اور اس کے بعد مسلمانوں کو خُدا کے سپرد کر واپس آئے۔ وہ بھی عجیب سماں تھا۔ جب مسلمان اپنے خلیفہ سے وداع ہو رہے تھے۔ اور خلیفۃ المسلمین اُن کی کامیابی اور فتح کی دُعاؤں میں مصروف تھے۔ جُدائی کے وقت جو تقریر ابو بکر صدیقؓ نے کی وہ یہ تھی۔ فتح اور شکست میرے اور تمہارے بس کی بات نہیں۔ اِس زبردست طاقت کے ہاتھ ہے۔ جس کے اقبال کو کبھی زوال نہیں۔ مگر اس کا وعدہ ہے۔ کہ صبر کرنے والوں کے

ساتھ ہے۔ مسلمان کا شیوہ نقصان پر صبر اور فائدہ پر شکر ہے۔ اگر تمہاری نیت میں خلوص ارادوں ارادوں میں استقلال اور دلوں میں صداقت ہے تو حبیب خُدا کا ارشاد پُورا ہونا یقینی ہے۔ نقصان پر پست ہمتی اور ناکامی میں مایوسی مسلمان کا کام نہیں۔ ارادے مضبوط اور ہمتیں بڑی رکھنا۔ اور ہر حالت میں خُدا کے فضل کے اُمیدوار رہنا۔ اگر وہ اپنی رحمت اور عنایت سے تمکو غالب کرے تو ماتحتوں پر شفقت کرنا۔ منصف رہنا اور مشورہ سے ہر کام انجام دینا۔ بڈھوں پر کرم عورتوں پر رحم۔ بچوں پر عنایت زخمیوں پر محبت لازمی اور ضروری ہے۔ یاد رکھنا۔ اور عمل کرنا کہ ہرے بھرے درخت ہرسبز و شاداب باغ پامال و برباد نہ ہوں۔ عبادتخانے محفوظ اور رعیت اطمینان سے رہے۔ جانور جو اپنی غذا نہ ہوں اگر موذی نہیں تو ان کو ایذا نہ دینا تحمّل کو ہاتھ سے نہ دینا۔ مکان کو نہ ڈھانا اور ہر حال میں صابر و شاکر رہنا۔ اچھّا فی امان اللہ۔

نعرۂ تکبیر بلند ہوا حضرت صدیقؓ مدینہ کی طرف چلے۔ اور مسلمانوں کا لشکر حق حق کی صدائیں دیتا ہوا آگے بڑھا مسلمان پھر پھر کر اپنے خلیفہ کو دیکھتے جاتے تھے۔ اور حضرت صدیقؓ بھی یہانتک کہ دونو اوجھل ہو گئے۔

(۹)

شب سیاہ اٹھلا اٹھلا کر اپنا رستہ طے کر رہی تھی۔ ہوا خاموش درخت ساکت اور زندان انطاکیہ چُپ چاپ کھڑا تھا۔ مسلح پہرہ دار ٹہل ٹہل کر اپنے فرائض ادا کر رہا تھا۔ کہ قدموں کی آہٹ اُس کے کان میں پُہنچی۔ ٹھٹکا اور پوچھا کون۔ ہے۔ متواتر تین آوازوں کے بعد گولی سر کر دی۔ مگر اس کے جواب میں بھی گولی تھی۔ جس کی آواز کے ساتھ ہی پہرہ والے کی آواز صرف اتنی سُنائی دی۔ "ہائے" یہ کہتا ہوا گرا۔ اور گر کر ٹھنڈا ہوا۔

قیدی چاہ انطاکیہ میں گرفتار ہے۔ چاہ انطاکیہ کوئی کنواں نہیں فصیل کے اُوپر ایک مختصر سا قلعہ ہے۔ جہاں سکندر اعظم کا مشہور قیدی ہر مز مقید رہا۔ اور آج کیلوث کا قیدی یا سلمونیہ کا دلدار گرفتار ہے۔ اندھیرا گھُپ تھا۔ کہ کمند فصیل کے کنگورے سے ٹکرائی سٹ پٹایا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ

کر دیکھا۔ مگر کچھ نظر نہ آیا۔ البتہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کمند کی آواز کان میں آجاتی تھی۔ پُوچھا کیا ہے کون ہے کیوں ہے۔

جواب۔ رحم ہے رحیم ہے رہائی ہے۔

قیدی۔ آواز کے تصدق آواز والے کے قربان کوشش پر نثار۔ رحم سر آنکھوں پر رحیم دل اور جان ہیں مگر رہائی ناممکن۔

جواب۔ باتیں فضول اظہار محبت لغو۔ فریفتگی بیکار وقت تھوڑا کام بہت کمند پکڑو باندھو اور اُترو۔

قیدی۔ یہ خیال غلط ہے یہ کوشش بے سود ہے۔ یہ قصد ناجائز ہے۔ کمند کا آنا پکڑنا نکالنا سب ناممکن فصیل دُور قلعہ بلند کمند پہنچ نہیں سکتی جنگل بیابان میں عالم سنسان میں یہ پاؤں اس قابل یہ قدم اس لائق یہ صورت اس واسطے یہ چہرہ اس لئے نہ تھا کہ لہولہان ہو کر خاک میں اٹ کر حیران ہوتی اور پریشان رہتا۔ اے ملکہ مَیں زخمی ہوں قیدی ہوں۔ تیری محبت کا مارا تیری عنایت کا زخمی۔ تیری آنکھوں کا گھائل تیری صورت کا مائل اس زخم پر نمک اس پھوڑے میں نشتر اور اس کلیجہ میں برمانہ لگا۔ آسمان پر بجلی نہیں زمین پر روشنی نہیں۔ کہ ایک دفعہ اس چہرہ کو دیکھ لیتا جس کی یاد میں ترس اور خیال میں تڑپ رہا ہوں۔ جا ملکہ چلی جا پہرے والے سخت اور محافظ ظالم ہیں۔ ایسا نہ ہو میری وجہ سے گزند پہنچ جائے۔

ملکہ۔ پہرہ والا قتل ہوا محافظ قتل ہو گئے۔ رات تھوڑی اور صبح قریب ہے۔ اس کمند سے کام لو اور نیچے آو۔

قیدی۔ کمند یہاں تک نہیں آسکتی مجھ سے بہت دُور ہے۔

ملکہ۔ اچھّا! اپنے جسم کا کوئی کپڑا مگر نہیں اپنے پاس کی کوئی چیز ہاں اپنے ہاتھ سے کوئی پتھر نیچے پھینکدو۔

قیدی۔ ملکہ ایک التجا ہے قبول کر۔ ایک عرض ہے سُن لے ایک درخواست ہے منظور فرما۔ ان دو پتھروں کو رگڑ کر ایک لمحہ کے واسطے آگ کی روشنی میں اپنی صورت دکھادے۔ کہ چند روز

اور زندہ رہ جاؤں۔

فاصلہ دُور تھا اور جگہ اونچی رات اندھیری تھی اور ملکہ خاموش کہ قیدی نے دو پتھر پھینکے۔ اور کہا میری التجا سُن لے۔ اے ملکہ رحم کا وقت ہے۔

چند لمحہ جواب نہ تھا۔ اس کے بعد آگ کا ایک شعلہ بھڑکا۔ اور قیدی اتنا دیکھ سکا کہ میرے پتھر پیشانی پر جا کر لگے۔ اور خُون کا فوارہ چھوٹ رہا ہے۔

(۱۰)

مسلمانوں کا لشکر گھوڑے اُڑاتا چلا جا رہا ہے۔ طبیعتیں شوق جنگ میں اور دل اشاعت اسلام میں بیتاب ہیں۔ کوچ کی پروا ہے نہ مقام کی اور صبح کا خیال ہے نہ شام کا۔ ابھی شام کی حدود اچھی طرح نظر نہ آئی تھیں کہ شامیوں کا ایک لشکر جو ہرقل نے احتیاطاً سرحد پر مقرر کر دیا تھا۔ مسلمانوں کی جمعیت دیکھ کر بے چین ہو مقابلہ کے واسطے آگے بڑھا۔ یزید بن ابوسفیان نے دلیری سے مقابلہ کیا۔ مگر یہ معرکہ بہت مختصر اور برائے نام تھا۔ مسلمانوں کے ارمان دل کے دل ہی میں رہے۔ اور شامیوں نے اطاعت قبول کر لی۔ یزید نے اب مقابلہ بے سود سمجھا۔ اور بارہ سو آدمی جو گرفتار کئے مع مال غنیمت کے امیرالمومنین کی خدمت میں بھیج دئے۔ مگر ان لوگوں میں سے جب بعض کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ قیصر پچاس ہزار جرار لشکر سے مقابلہ کے واسطے تیار ہے۔ تو یزید نے امیرالمومنین سے کہلا بھیجا۔ کہ موجودہ لشکر اتنے زبردست حملہ کے واسطے کافی نہیں۔ جب یہ خبر مدینہ منورہ میں پہنچی۔ تو حضرت صدیقؓ نے اسی وقت ایک اور لشکر تیار کیا۔ اور سعید بن خالد کی ماتحتی میں مسلمانوں کی اعانت کو روانہ کیا۔ (باقی دارد)

راشد الخیری

رُباعی

ظاہر ہے سکوت سے کہ دل شاد نہیں — پھر لب پہ فغاں آہ و فریاد نہیں
کیا خود ہے یہ انتقام اتنا تو بتا — کیوں طالبِ انتقام بیداد نہیں

آرزو لکھنوی

شریفۂ واذان کی کہانی

اُسی کی زبانی

گذشتہ سے پیوستہ

میری والدہ اور ماما بلکہ دایہ کا کام کرتی تھیں۔ والدہ خود ہی بچے کو غسل دیتیں۔ اور کپڑے پہناتیں۔ ایک روز غسل کے وقت انہوں نے ایک بوڑھی مراکش خادمہ کو بھی بلا لیا۔ اس بڑھیا کی عمر ۸۰ سال کی تھی۔ اور اس کی ماں اور دادی نے بھی خاندان واذان ہی کی خدمت میں عمریں گذاری تھیں۔ کپڑے اتارتے وقت تو وہ بیٹھی غور سے دیکھا کی۔ لیکن جب پانی اور صابن استعمال ہوا تو اُسے کچھ تشویش سی ہوئی۔ آخر جب بچے کو ٹب میں رکھا گیا۔ تو وہ برداشت نہ کر سکی۔ اور ایک پندرہ سالہ لڑکی کی سرعت رفتار کے ساتھ دوڑتی ہوئی بلا پس و پیش میرے خاوند کے کمرے میں جا داخل ہوئی۔ شریف اُس وقت سو رہے تھے۔ لیکن بڑھیا کو تاب کہاں تھی۔ انہیں زور سے جھنجھوڑا۔ اور چلانے لگی۔ "سدی! سدی!! خُدا کے لئے دوڑو۔ کہ انہیں تمہارے بچے کو مارے دیتی ہیں۔ وہ دوڑے میرے کمرے میں آئے۔ اور آرام کرسی پر گر پڑے۔ کبھی میری طرف دیکھتے کبھی اماں کی طرف۔ اتنے میں اماں ننھے کو نہلا چکی تھیں اور کپڑے پہنا رہی تھیں۔ انہوں نے بچہ شریف کی گود میں دیدیا۔ شریف پہلے تو مسکرائے۔ پھر قہقہہ مار کر اتنے ہنسے کہ ان کے آنسو نکل آئے۔ ہم حیران تھے کہ کیا معاملہ ہے۔ آخر شریف نے بڑھیا کی تشویش کا قصہ کہہ سُنایا۔ اور بتایا کہ نیچے کیا ماجرا ہوا۔ پھر تو ہم بھی مذاق میں شامل ہو گئے اور خوب ہنسے۔

بڑھیا کی اس کارروائی سے تمام گھر میں کہرام مچ گیا۔ اور تمام گھر کا عملہ میرے دروازہ کے باہر آ جمع ہوا۔ لیکن جب ان کو معلوم ہوا۔ کہ بجائے سازش قتل کے اندر تو ہنسی منائی جا رہی ہے۔ تو وہ سب کے سب فوراً اُلٹے پاؤں لوٹ گئے۔ اس واقعہ کے بعد کئی عورتیں میرے

پاس بچوں کے نہلانے کا طریق سیکھنے آنے لگیں۔ اور آج تنجیر میں کئی ایسے مرد موجود ہیں جنکو پہلا غسل مَیں نے اپنے ہاتھوں سے دیا۔ مَیں یہ تو نہیں کہہ سکتی۔ کہ اب یہ طریق تنجیر میں عام طور پر رائج ہے۔ لیکن اتنا فرق ضرور ہے کہ اب پہلے کی نسبت صابن اور پانی کی بہت زیادہ قدر کی جاتی ہے۔ فیض اور رواذان میں بھی میں نے کسی حد تک ان امور کے متعلق قواعد حفظان صحت کو رواج دیا ہے۔

مسلمان بچوں کی رسم عقیقہ آٹھویں دن ادا کی جاتی ہے۔ اگرچہ میرا خیال ہے کہ صحیح تاریخ ساتواں دن ہے۔ نام بھی اُسی روز رکھا جاتا ہے۔ عقیقہ کے دن صبح کے وقت مہمانوں کی موجودگی میں ایک بڑا دنبہ قربانی کیا جاتا ہے۔ کوئی قریبی رشتہ دار جانور کو ذبح کرتا ہے۔ اور ذبح کرتے وقت بچے کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ قربانی کے بعد مرد مہمان ایک بڑے کمرے میں جمع ہوتے ہیں جہاں چاء اور کیک کیساتھ ان کی تواضع کی جاتی ہے۔ دوپہر کے وقت پُر تکلف دعوت ہوتی ہے۔ جب مہمانوں کی کثرت ہو تو انہیں ایک ساتھ کھانا کھلانا مشکل ہوتا ہے اس لئے انہیں مختلف جماعتوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ مولائے علی کے عقیقہ کے روز مہمانوں کی اسقدر کثرت تھی کہ عصر کے وقت کھانا کھلانے سے فراغت ہوئی۔ غربا اور مساکین کو بھی کھانا کھلایا گیا۔ مہمان عورتیں زنانہ میں جمع ہوتی ہیں۔ بعض مجھے مبارکباد دینے کے لئے میرے کمرہ میں بھی آئیں۔ اگرچہ میں مہمانوں کی بھیڑ اور ان کی زرق برق پوشاکوں اور جواہرات کو دیکھ نہ سکتی تھی لیکن شور سے اندازہ ضرور کر سکتی تھی۔ علاوہ ازیں ڈومنیوں کا ایک گروہ وسطِ مکان پر قابض تھا۔ اور انھوں نے وہ قیامت برپا کر رکھی تھی کہ الاماں! مراکش آلات موسیقی نہایت ابتدائی طریق کے اور غیر سریلے ہوتے ہیں۔ اس لیے ڈومنیوں کے اظہار مسرت کے جوش کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک موقعہ پر جب جوش کچھ دھیما ہوا تو اماں جان مہمانوں کو دکھانے کے لئے ننھے تیمر کو اُٹھا کر نیچے لے گئیں۔ لیکن جونہی مہمانوں کی نظر ننھے پر پڑی۔ تو مبارکبادوں اور خوشی کے نعروں کا وہ غل مچا کہ اماں نے فوراً واپس لوٹنے

کی گی۔ مگر اتنے مہمانوں کی بھیڑ میں سے واپس لوٹنا بھی کوئی آسان کام نہیں تھا۔ نظر لگجانے کے خوف سے پہلے کبھی خاندان شرفا کا کوئی بچّہ اتنی چھوٹی عمر میں باہر نہیں لایا گیا تھا۔ عورتیں تو اس معاملہ میں خاص طور پر وہم پرست ہیں۔ لیکن مَیں نے کئی مردوں کو بھی دیکھا ہے۔ کہ وہ نظر کے اثر پر پُورے طور سے یقین رکھتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ نظر لگ جانے سے بچّے پر بیماریاں اور دیگر مصائب آتے ہیں۔ شریف خود ایسے توہمات باطلہ سے بالکل مبرّا تھے۔ اور ان باتوں کو بالکل بیہودہ سمجھتے تھے۔

مراکش میں ہر دعوت کے موقعہ پر مہمانوں کو خاص بلاوا بھیجا جاتا ہے۔ اور ہر موقعہ پر وہی الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ بلاوا دینا گویا ایک قسم کا پیشہ ہے۔ اور خاص عورتیں اس کام پر مامور ہوتی ہیں۔ جب کسی گھر میں کوئی ایسی تقریب ہوتی ہے جس پر مہمانوں کا بُلانا ضروری ہوتا ہے۔ تو میزبان بیگم کسی بلاوا دینے والی عورت کو بلواتی ہیں۔ اور اسے ان لوگوں کے نام بتا دیتی ہیں۔ جن کو وہ مدعو کرنا چاہتی ہیں۔ اور گھر کی ماماؤں یا لونڈیوں میں سے ایک اِس عورت کے ساتھ کر دی جاتی ہے۔ ان دونو کے پاؤں میں نئے جوتے پہنائے جاتے ہیں۔ جب وہ کسی مکان پر پہنچتی ہیں۔ تو ان کے لباس سے انکے آنیکا سبب معلوم کر لیا جاتا ہے۔ اور انہیں فوراً صاحب خانہ کی بیگم صاحبہ کے حضور پیش کر دیا جاتا ہے سلام دُعا ہو چکنے کے بعد بلاوا دینے والی بیگم صاحبہ کو ان الفاظ میں مخاطب کرتی ہے:۔

"بیگم صاحبہ سدی فلاں حضور سے درخواست کرتی ہیں۔ کہ حضور اپنی بہترین پوشاک زیب بدن فرما کر فلاں روز فلاں ساعت غریب خانہ کو شرفِ رونق بخشیں اور دعوت میں شریک ہوں جو خُدا کے فضل سے اِس تقریب سعید پر قرار پائی ہے"۔ پھر تقریب کی تفصیل کی جاتی ہے۔ جواب میں بیگم صاحبہ میزبان بیگم کو دُعا دیتی ہیں۔ کہ انھوں نے ایسے سعید موقعہ پر مجھے یاد کیا ہے۔ اور فرماتی ہیں۔ کہ اگر قسمت میں لکھا ہے۔ تو میں حاضر ہو جاؤنگی یا اپنی جگہ کسی اور کو بھیج دونگی۔

مرد مہمانوں کو مدعو کرنے کے لئے میز بان کے دو دوست مقرر کئے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے لباس میں کوئی خصوصیت نہیں ہوتی۔ مولاے علی کے عقیقہ کی تقریب پر مہمانوں کو مدعو کرنے میں پورے چار دن صرف ہوئے۔ مسلمان سوسائیٹی میں طبقات کا بالکل امتیاز نہیں ہے۔ ایسی تقریبوں پر ہر طبقہ کے لوگوں کو بُلایا جاتا ہے۔ اور امیر عورتیں ایسے موقعہ پر نہایت فیاضی سے اپنی قیمتی پوشاکیں اور زیور غریب عورتوں اور لڑکیوں کو عاریتاً دے دیتی ہیں۔ تاکہ وہ بھی ایسے جلسوں میں شریک ہوکر خوشی حاصل کرسکیں۔ اور بہت شاذ ایسا ہوتا ہے کہ اس فیاضی کا کوئی بے جا فائدہ اُٹھایا جائے۔ غریب اور نادار عورتیں جنہیں اس طرح پوشاکیں اور زیور دیئے جاتے ہیں۔ انہیں نہایت احتیاط سے استعمال کرتی ہیں۔ اور بہت کم ایسا ہوا ہے۔ کہ لباس یا زیور کو کسی قسم کا نقصان پُہنچے۔

ایک ہسپانوی دایہ اور مراکش خادم ننھے شریف کو روزانہ ہوا خوری کے لئے باہر لے جایا کرتے تھے۔ اوّل اوّل تو لوگوں کو معلوم نہیں تھا۔ کہ اس کپڑوں کے بنڈل کے اندر کیا چیز ہے۔ لیکن جب ان کو معلوم ہُوا تو ننھّے کا بھی باقی خاندان کی طرح عزّت و احترام ہونے لگا۔

مَیں خود بچّے کو نہلایا کرتی تھی اور خود ہی اُسے کپڑے پہناتی تھی۔ اِس تقریب پر شریف بھی اکثر موجود ہوتے تھے۔ اور وقت پر مجھے صابن۔ تولیہ کپڑے وغیرہ دیتے جاتے تھے۔ انہیں اس بچّے کے ساتھ بہت ہی محبّت تھی۔ جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ یہ ہر وقت اِن کی نظروں کے سامنے رہتا تھا۔ بڑے بیٹوں کے ساتھ تو انہیں ملاقات ہی کا کم اتفاق ہوتا تھا۔ اور جب کبھی موقعہ آتا بھی تھا۔ تو چند منٹ سے زیادہ ملاقات نہیں ہُوا کرتی تھی۔

بی نیند سے دو باتیں

رات کے دس بج گئے ہیں، نیند سے آنکھیں بند ہوئی جاتی ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ بی نیند سے دو باتیں کروں۔

"کیوں بی نیند! تم تو روز آتی ہو۔ روز جاتی ہو۔ گھنٹوں پاس بیٹھی رہتی ہو۔ مگر میں نے آجتک تمہاری شکل نہیں دیکھی۔ تمہارے آنے کا وقت قریب ہوتا ہے تو میں سو جاتا ہوں۔ اور جب جاگتا ہوں تم غائب ہو جاتی ہو۔

ذرا جاگتے میں بھی تو کبھی آجاؤ۔ اور اپنی موہنی صورت اور نشیلی مخمور آنکھیں دکھا جاؤ۔ یہ بھی نہیں معلوم تم رہنے والی کہاں کی ہو۔ اتنا جانتا ہوں تمہیں سگریٹ اور چاء سے نفرت ہے۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ کم سے کم ولایت کی باشندہ نہیں ہو۔

تم میں چند باتیں تو بڑی اچھی ہیں۔ تھکے ماندے مسافروں کے ساتھ ہمدردی کرتی ہو۔ بچوں کو ماں کی طرح اپنی گود میں لے کر سلاتی ہو۔ اور جب سو جاتے ہیں مزے مزے کی کہانیاں سناتی ہو۔

مگر دیکھو بی۔ تم میں یہ باتیں بری ہیں۔ کہ خوشی میں تو ساتھ دیتی ہو مگر دکھ میں الگ رہتی ہو۔ تندرست آدمیوں کو۔ نوجوانوں کو تو ہر وقت چھیڑتی رہتی ہو۔ مگر مریضوں۔ بڈھوں کے پاس تک نہیں پھٹکتی۔

تم میں ایک بات بڑی عجیب ہے۔ غریبوں کے گھر میں تو غریب بنکر جاتی ہو۔ نہ گرمی کی فکر۔ نہ سردی کی پروا۔ نہ مچھروں کا ڈر۔ نہ کھٹملوں سے نفرت۔ مگر امیروں کے دروازے پر تو قدم دھرتے ہی تمہارے دماغ بھی آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔ گرمی ذرا زیادہ ہو تو بغیر پنکھے کے خس کی ٹٹیوں کے آپ کو چین نہیں۔ کھٹملوں کی بو آپ کو بری لگتی ہے۔ مچھروں کی بھنک آپ سے

سُنی نہیں جاتی - ذرا سی کھٹ پٹ ہو تو آپ بگڑ جاتی ہیں۔غائب . . ہو . . . .

خُدا کی پناہ تمہاری شوخیاں بھی غضب کی ہیں - مَیں بیچارا تو لمپ کے سامنے بیٹھا تمہاری تعریفیں لکھ رہا ہوں - اور تم چُپ چاپ - دبے پاؤں پیچھے سے آئیں - اور میری آنکھیں بند کر دیں - مَیں جلدی سے چونکا اور پیچھے مُڑ کر جو دیکھا - تو - تم - غائب - ہو . . . .

ایلو! تم نے پھر وہی شرارت کی - مذاق ہی کرنا ہے تو سامنے آؤ - تم - تو - چھیڑ . . اور . . . . . .

لاحول ولا قوۃ! تم آج مجھے لکھنے نہیں دوگی - لو - تمہاری یہی مرضی ہے - تو - ختم - کر . . . . . .

سیّد ابو الظفر

ایک پھُول

شہر کے شور و غل اور گاؤں کی گرد آلود پگڈنڈیوں سے دُور ہم ایک گلزار میں تھے - جہ درختوں کی چوٹیاں آسمان کے دامن کو چُومتی تھیں - یکایک ہمارے درمیان ایک گُل لالہ اور ایسا کھِلا کہ گرد و پیش کے نظارے فراموش ہو گئے - اُس پھول میں سحر کی دلفریبی اور شفق کی سُرخی تھی - جس نے ہمیں بے خود بنا دیا -

مجھے علم نہیں کہ ہم میں سے کس کی نگاہ اُس پھول پر پہلے پڑی لیکن ہاں میرا دل بے اختیار ہوا جبکہ تیری آنکھوں کی نوزائیدہ روشنی سے میری آنکھیں چمک اُٹھیں - ایک پُرکیف سکوت او جھکی ہوئی آنکھوں کے عالم میں تیری نازک کلائیاں میرے ہاتھ میں تھیں -

جب سے مجھ میں اور تجھ میں ہمیشہ کے لئے جُدائی ہوئی - ایک ایک گھڑی ایک ایک برس معلوم ہوتی ہے لیکن میرا دل خوشی سے لبریز ہے - کیونکہ ہم اس پھُول کو حدِ نظر سے دُور اور زمانے کے محور سے پرے پوری دلفریبی کے ساتھ کھِلا ہوا چھوڑ آئے ہیں -

سیّد بشیر حسین زیدی